www.alahazratnetwork.org

رسالہ

كِفْلُ الفقيهِ الفاهِم فی اَحکامِ قِرطاسِ الدَّراهِم [۱۳۲۴]

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصّہ)

مسئلہ ۲۱۷:

ما قولکم دام طولکم فی ھذا القرطاس المسکوک المسمی بالنوط والسؤال عنه فی مواضع الاول ھل ھو مال ام سند من قبیل الصك، الثانی ھل تجب فیه الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیه الحول ام لا، الثالث ھل یصح مھرا، الرابع ھل یجب القطع بسرقته من حرز، الخامس ھل یضمن بالاتلاف بمثله او بالدراھم، السادس ھل یجوز بیعه بدراھم او دنانیر او فلوس، السابع اذا استبدل

آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکّہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، اوّل کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، دوم جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، سوم کیا اُسے مہر مقرر کرسکتے ہیں، چہارم اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، پنجم اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا رُپے، ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، ہفتم اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضة او بیعا مطلقا، الثامن هل یجوز اقراضه وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراهم، التاسع هل یجوز بیعه بدراهم نسیئة الی اجل معلوم، العاشر هل یجوز السلم فیه بان تعطی الدراهم علی نوط معلوم نوعا وصفة یؤدی بعد شهر مثلا الحادی عشر هل یجوز بیعه بازید مما کتب فیه من عدد الربا فی کان یباع نوط عشرة باثنی عشر او عشرین او بانقص منه کذلك، الثانی عشر ان جاز هذا فهل یجوز اذا اراد زید استقراض عشرة ربابی من عمرو ان یقول عمرو لا دراهم عندی ولکن ابیعك نوط عشرة باثنی عشرة ربیة منجمة الی سنة تؤدی کل شهر ربیة وهل ینهی عن ذلك لانه احتیال فی الربا وان لم ینه فما الفرق بینه و بین الربا حتی یحل هذا ویحرم ذلك مع ان المآل وهو حصول الفضل واحد فیهما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔

اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے)، ہشتم کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، نہم کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پرقرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، دہم کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، یازدہم کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، دوازدہم اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام، حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب

اللھم لك الحمد یا وھاب صل وسلم علی السید الاواب وعلی الہ و

الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے اے بہت عطا فرمانیوالے! درود وسلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والاصحاب اسئلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقنی الله وایاك وتولّٰی هدای وهداك ان النوط من احدث الاشیاء واجدّها لن تجد له ذکرا ولا اثرا فی شیٔ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه من العلماء الماضین قریبا ولکن الائمة شکر الله تعالٰی مساعیهم الجمیلة وافاض علینا من برکاتهم الجلیلة قد بیّنوا الملة الحنفیة بیانا شافیا لیس دونه خفاء وقد اضحت بحمد الله تعالٰی غراء بیضاء لیلها کنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا تفصیلا وذکروا کلیات تنطبق علی ما لا یحصی من جزئیات فالحوادث وان ابت النهایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلوا الوجود ان شاء الملك الودود عمن یقدره المولٰی سبحنه وتعالٰی علی استخراج تلك الخبایا والاستر باح من تلك العطایا والمزایا نعم من الافهام بعید وقریب والانسان یخطی ویصیب وما العلم الا نور یقذفه الله فی قلب من یشاء من عبادہ فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحنه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوکیل

آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام ونشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرما دیا جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھا دی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزئیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا فرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق وہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعلیہ ثم علی رسولہ التعویل جل وعلا
وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول
الٰی ذری التحقیق اول اسئلتک
اصل اسئلتک واذا علمت حقیقۃ
ھذا القرطاس تضحت الاحکام
کلھا من دون التباس، اما
اصلہ فمعلوم انہ قطعۃ کاغذ و
الکاغذ مال متقوم وما زادتہ
ھذہ السکۃ الا رغبۃ للناس الیہ
وزیادۃ فی صلوح ادخارہ للحاجات
وھذا معنی المال ای ما یمیل الیہ
الطبع ویمکن ادخارہ للحاجۃ کما
فی البحر والشامی[1] وغیرھما ومعلوم
ان الشرع لم یرد بحجر المسلم
عن التصرف فی قطعۃ
قرطاس کیفما کانت کما ورد بہ
فی الخمر والخنزیر وھذا ھو
مناط التقوم کما فی ابن عابدین
وفیہ عن التلویح المال
ما من شانہ ان یدخر
للانتفاع وقت الحاجۃ والتقویم
یستلزم المالیۃ[2]، وفیہ

بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا،
وُہ بزرگی وبلندی وکرم والا اور ان پر اس کے درود
سلام **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی
طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں
تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں
کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم
ہوجائیگی توسب احکام واضح ہوجائینگے جن میں
کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے
کہ وُہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے
اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی
رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے
اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہوگیا اور مال کے یہی معنی ہیں
یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت
کے لئے اٹھا رکھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر وشامی
وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی
مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وُہ اپنے پارہ کاغذ
میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و
خوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے
قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ
ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا
مال وُہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت
اس سے نفع لینے کے لئے اٹھار کھا جائے اور قیمت
والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

---

[1] و [2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الآدمی خلق لمصالح الآدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیار[1] اھ وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] اھ وھذہ ان حققت جزئیۃ النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثہ بخمسمائۃ سنۃ، فانہ ھو الکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین، فلاریب ان النوط بنفسہ مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیہ جمیع مایجری فی الاموال **اقول** ومن الظن بل من اردء الشکوک توھم انہ سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنۃ التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اخذیھا الدراھم وتعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم ولمقادیرھا فاذا

بحوالہ بحرالرائق حاوی قدسی سے ہے، مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرما دیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذاتِ خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں **اقول** (میں کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

جاؤا بها الى السلطنة قضتهم ديونهم
و اخذت قراطيسها و ان اعطوها
غيرهم من الرعايا فهم يستدينون
من اولئك الاخرين و يحيلونهم على
السلطنة ويعطونهم تلك المذكرة
عَلَما على الاحالة كي يتوصلوا بها
الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة
المديونة لمديينهم و هكذا كلما
تداولت الايدي تكررت
الادانات و الحوالات هذا معنى
كونه سندا و كل طفل عاقل
يعلم ان هذه المعاني
مما لا يخطر ببال احد
من المتعاملين بها و
لا يقصدون قط بهذا
التداول ادانه و لا استدانة
ولاحوالة و لا يذهب خاطرهم
الى شئ من ذلك اصلا ولا ترى
احدهم قط يذكر في دفتر
ديونه على الناس من اخذ الدراهم
منه باعطاء النوط ولا يقول
له مدة عمره انك استدنت مني كذا
فاقضني وخذ تذكرتك مني ولا في دفتر ديون
الناس عليه من اخذ هو الدراهم منه واعطاه
النوط ولا يذكر لاحد في حياته ولا عند مماته

سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں ــــ
ــــــــ سلطنت ان کے قرض
ادا کر دیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ
لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان
دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ
سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی
کو یہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ
ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض اُن پہلوں
کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو ان
پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے
الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر
ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی
ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ
کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا
خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے
قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور
کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال
نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے
قرض کے بہی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے
نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی
بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے
ادا کر دے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے
اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی
اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے
روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوہ وخذوا تذکرتی منہ والظلمۃ المھتکۃ المعتادۃ باکل الربا جھارا لا یدینون احدا درھما الا بربا یوضع علیہ کل شھر ما لم یقض وتراھم یاخذون النوط ویعطون الدراھم ولا یطلبون علیھا فلسا واحدا لا علی شھر ولا علی سنین ولو علموا انہ ادانۃ لما ترکوہ قطعا، فالحق انھم جمیعا انما یقصدون المبادلۃ والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعًا انہ ملکہ بالدراھم ومن اعطاہ یعلم قطعا انہ اخرجہ من ملکہ بالدراھم وصاحبہ یعدہ من مالہ وکنزہ کالنقدین والفلوس ویدخرہ ویھبہ ویوصی بہ ویتصدق فلا یفھمون الا البیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدھم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[1]، فمن المتیقن الذی لا یحوم حومۃ شبھۃ انہ عند الناس مال

کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے، تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

---

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیہ یباع ویشتری ویجری فیہ کل ما فی المال جری اما ما تری من علو اثمانہ فقطعۃ بعشرۃ واخری بمائۃ واخری بالف **فاقول** قدمنا عن الفتح ان قطعۃ قرطاس تصلح ان تباع بالف وذٰلک بالتراضی بین العاقدین فقط فکیف اذا تراضی علیہ امم من الناس وجعلوا ھذہ القطعات بھذہ الاثمان اصطلاحا منھم علا ان الضرب السلطانی لہ قیمۃ عند الشرع ایضاً الا تری ان من سرق عشرۃ دراھم مضروبۃ قطع ومن سرق تبرا غیر مضروب وزنہ قدر عشرۃ ولا تبلغ قیمتہ عشرۃ مضروبۃ لم یقطع کما نص علیہ فی الھدایۃ[1] وغیرھا عامۃ کتب المذھب والفلوس المضروبۃ المقدرۃ بربیۃ ان اخذت قدرھا وزن من النحاس لا یساوی ربیۃ قطعا بل قد لا یساوی نصفھا بل تری مثل ذٰلک فی الفضۃ فقد کانت فی قریب من الزمان فضۃ تساوی

قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا **اقول** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح سے ٹھہرالیں علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درھم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو[2] روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

---

[1] الھدایۃ کتاب السرقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۱۸

ربتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا
وکانت الجھلة یشترون ولا یعلمون
مافیہ من وبال الربا فاذا حصل
بالضرب التضعیف فالضعف والاضعاف
سواء ومن الجلی عند کل من ورد
ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او
منھل العقل السلیم ان الشیئ التافة جدا
ربما یعرض لہ ما یجعلہ اعلی من الوف
امثالہ وربما اشتریت جاریة بمائتی الف
واکثر ولا یرغب فی اخری بثلثین درھما
مع ان الاوصاف لاقسط لھا من الثمن حتی
الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما
ھی الا ثمن الذات زادتہ الاوصاف لزیادة
الرغبات ارأیتك ان کانت ورقة کاغذ فیھا
نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبہ
ویعرف قدرہ فاشتراھا بعشرة الاف
ھل فیہ من خلاف کلا بل حلال طیب
بنص القرآن والاجماع من دون نکیر
ولا نزاع، قال تعالٰی الا ان
تکون تجارة عن تراض منکم[1]
فھذہ العشرة الالاف ماھی ثمن المکتوب
فانہ لامالیة لہ اصلا کما نص علیہ
فی الھدایة وسائر الکتب المعللة وھذا

بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے
کہ اس میں سُود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب
دُونا دُون قیمت ہوگئی تو دوچند اور ہزار چند سب یکساں،
اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے،
اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شَے
نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے
اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کردیتا ہے اور بارہا
ایک کنیز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی
گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا
حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ
نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد
ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے
رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا بھلا
بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس
عجیب و غریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا
طلبگار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق
کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف
ہے ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم
کا نص اور بلا انکار و منازعت اجماع قائم ہے،
رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمھارے
آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے
علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں
جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ٤/٢٩

نصہا ولا قطع فی سرقۃ المصحف و ان کان علیہ حلیۃ لانہ لامالیۃ لہ علی اعتبار المکتوب واحرازہ لاجلہ لاللجلد والاوراق والحلیۃ وانما ھی توابع، ولا فی الدفاتر کلہا لان المقصود ما فیہا وذلک لیس بمال الا دفاتر الحساب لان ما فیہا لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغد[1] اھ ملتقطاً فتبین ان الورقۃ الواحدۃ ھی التی بلغ ثمنہا لما فیہا عشرۃ اٰلاف فائت غرو فی بلوغ قیمۃ نوط عشرۃ او اکثر لاجل ما کتب فیہ مما استجلب رغبات الناس الیہ وای حجر من الشرع علیہ وبالجملۃ فالمسألۃ اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح **ثم اقول** بل حقیقۃ الامر ان الاموال کما فی البحر وغیرہ اربعۃ اقسام، الاول ثمن بکل حال وھو النقدان

مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اسی مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصاً، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے، خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہو گئی **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے، اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

---

[1] الہدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۲۰-۲۱

فانهما اثمان ابدا اصحبتها الباء اولا وقوبلا بجنسها اولا وعدهما العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منهما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم يبق ثمنا صريحا و ولهذا يتعين فی العقد ومع ذلك بيعه صرف يشترط فيه ما يشترط فی الصرف لانهما خلقا للثمنية ولا تبديل لخلق الله، والثانی مبيع بكل حال كالثياب والدواب فانها وان صحبتها الباء وقوبلت بما تشاء لا تثبت دينا فی الذمة وهذا هو المعنی بالثمنية فلا يرد ان فی المقايضة كلا من العرضين ثمن من وجه هكذا وجه ابن عابدين جوابا عن ايراد العلامة الطحطاوی **اقول** وفيه ان المصوغ من الحجرين ايضا لا يثبت دينا فی الذمة بل يتعين فی العقود كما تقدم عن البحر فان سلم هذا ورد النقض علی ذلك فليتأمل والاظهر عندی الجواب

ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی چیز کے عوض بیچا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انھیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہوجائینگے اور باینہمہ ان کی بیع شرعاً صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شئی کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ بحر الرائق سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا، فتأمل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضا ولایمکن ان تصیر ثمنا محضا و ان کان لھا وجھة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الا بالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانہ تارۃ یصیر ثمنا بحتا و اخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انہ لاینفك عنہ کونہ ثمنا اوکونہ مبیعا لشیئ من الاحوال وان اعتراہ وجھة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قولہ کالثیاب ان سلمہا ارسالا واقرہ الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادھا مالیة والا کانت من الثالث حیث امکن ضبطھا بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام ومصر ورقة اوغلظة وذرع طولا وعرضا ووزن ان بیعت بہ وبذا یجوز السلم فیھا کما عرف فی محلة والثالث مالوصف فی ذاتہ ثمن تارۃ ومبیع اخری ولا اقول کقول التنویر ثمن من وجہ مبیع من وجہ[1] لیعود حدیث المقایضة **اقول** وانما زدت لوصف فی ذاتہ احترازا عن قسم الرابع فانہ

یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کا ایک رُخ ثمنیت کی طرف بھی ہے اس لئے کہ بیع بغیر ثمن ومبیع دونوں کے نہیں ہوسکتی بخلاف قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جُدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رُخ بھی عارض ہو، پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح وحواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ اُن کا ضبط ہوسکے ذکر جنس سے جیسے رُوئی اور کتان یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام ومصر کا کام، یا پتلی اور دبیز ہونے سے یا طول وعرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیساکہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔ قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے، **اقول** (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھا دی کہ

---

[1] دُرمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۷

ایضًا یصیر مرۃ ثمنا واخری لا، لا لوصف فی ذاتہ بل للاصطلاح وعدمہ وھذہ ھی المثلیات فانہا امّا ان تقابل باحد النقدین اولا علی الاول مبیعات مطلقا سواء دخلتہا الباء اولا وتعینت اولا کقولک بعتک ھذا الذھب بکُرّ بُرّ او بھذا الکُرّ فالکُرّ مبیع مطلقا والبیع فی صورۃ التعیین مطلق وفی غیرہ سلم یشترط فیہ شرائطہ وعلی الثانی اما ان تدخلہا الباء اولا علی الاول اثمان مطلقا تعینت اولا کبعتک ھذا الثوب بکُرّ بُرّ او بھذا الکُرّ والبیع مطلق فی الوجہین والکُرّ یثبت فی الذمۃ وعلی الثانی ان تعینت فاثمان کبعتک ھذا الکر بھذا الثوب اولا فمبیعات کبعتک کرا بھذا العبد والبیع سلم بشروطہ والحاصل ان المثلی ان قوبل بحجر فمبیع مطلقا والّا فان دخلتہ الباء فثمن مطلقا والّا فان تعین فثمن اولا

قسم چہارم نکل جائے کہ وُہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدمِ اصطلاح کی بنا پر۔ اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یا اور چیز سے، پہلی صورت میں مطلقًا مبیع ہیں چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو، اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یُوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہرحال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور بیع بہرحال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمّہ پر لازم ہونگے بر تقدیرِ دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یُوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ، اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقًا مبیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبیع وھذا ایضاح ما حرر الشامی مع احسن ضبط لا یوجد فیہ والرابع ما ھو سلعۃ بالاصل وثمن بالاصطلاح کالفلوس فما دام یروج فکثمن والا عاد لاصلہ و لا شک ان المصطلحین اذا ارادوا ان یجعلوا سلعۃ ثمنا لابد لھم ان یرجعوا فی تقدیرھا الی الثمن الخلقی فان ما بالعرض لایتقوم الا بما بالذات فیجعلون اربعۃ وستین من الفلوس الھندیۃ او احدی وعشرین من الھلالات العربیۃ بربیۃ وھکذا فی غیرھا، وھم فی ذلک بالخیار یصطلحون کیف یشاؤن اذ لا مشاحۃ فی الاصطلاح، وقد کان قبل نحو عشرین سنۃ فی الدیار الھندیۃ قسمان من الفلوس یروجان احدھما مضروب والاٰخر قطعۃ نحاس مستطیلۃ الشکل نحو ضعف الفلس المضروب فی الوزن، وکان من المضروب اربعۃ وستون بربیۃ لا تزید ولا تنقص ومن الاٰخر مختلف السعر، وربما صار ثمانون منہ بربیۃ الی ان کسد ونفد فکل ذلک راجع الی الاصطلاح ولا حجر فیہ من جھۃ الشرع الشریف اذا علمت ھذا فالنوط ھو من القسم الرابع سلعۃ باصلہ لانہ قرطاس وثمن بالاصطلاح لانہ

تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہلِ اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انھیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہلے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے ۸۰ ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہولیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلی کما علمت، فهو اصطلاح لا مضايقة فيه ولا يسأل له عن وجه وتوجيه وقد تبين بهذا التقرير والحمد لله الفتاح القدير حقيقة النوط وانما سائر الاحكام بها منوط، فاذن لا يعتری ان شاء الله تعالیٰ فی ابانة شیئ من الاحکام اشکال والحمد لله المهيمن المتعال۔

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا تو ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، بحمد اللہ القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

اما السوال الاول

فقد بان الجواب مع المزيد ولا احتياج الی ان نزيد۔

جواب سوالِ اول

مع شئے زائد واضح ہولیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

واما الثانی

فاقول نعم تجب فيه الزکوٰة بشروطها لما علمت انه مال متقوم بنفسه وليس سندا او تذکرة للدين حتی لا يجب اداؤها ما لم يقبض خمس نصاب ولا حاجة فيه الی نية التجارة لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فيه الزکوٰة ما دام رائجا بل لا انفکاك له عن نية التجارة لانه لا ينتفع به الا بالمبادلة کما لا يخفی فی فتاوی قارئ الهداية الفتوی علی وجوب الزکوٰة فی

جواب سوال دوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیتِ تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے

فتاوی علامہ قاری الہدایہ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ماتساوی مائتی درھم من الفضۃ او عشرین مثقالا من الذھب[1] اھ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسہ او من احد النقدین باعتبار القیمۃ کاموال التجارۃ۔

جبکہ دوسو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔

واما الثالث

فاقول نعم یصح مہرا لما علمت اذا کانت قیمتہ وقت العقد سبع مثاقیل من فضۃ فان اقل یتم کما فی العروض۔

جواب سوال سوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

واما الرابع

فاقول یجب القطع بشروطہ من تکلیف ونطق وبصر وحرز تام وغیرھا اذا بلغت قیمتہ کلا یومی السرقۃ والقطع عشرۃ دراھم مضروبۃ جیادا وذلک کلہ لما بینا انہ مال متقوم بنفسہ۔

جواب سوال چہارم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگا نہ ہو، اندھا نہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اُسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے۔

واما الخامس

فاقول نعم یضمن باتلاف بمثلہ ولا یجبر المتلف

جواب سوال پنجم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اس کے تاوان میں نوٹ

---

[1] فتاوی قاری الہدایۃ

على اداء الدراهم خاصة لان النوط عددي غير متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربه، نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القيمة وذلك ان النوط الٰه آباد او الٰه آباد وكلكتة يروج في ممالك الهند المشرقية الشمالية اكثر مما يروج نوط بمبئي وبالعكس وربما يشترى نوط مكانٍ في اخر بنقص عدة آنات من رقمه المكتوب عليه فلا يعد احدهما مثل الاٰخر الا اذا استويا رواجا۔

ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں، ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الٰہ آباد یا الٰہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے وبالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

واما السادس

جواب سوال ششم

فاقول نعم یجوز کما تعامله الناس فی عامة البلاد وقد علمت تحقیقه۔

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔

تنبیه: کنت قنعت فی الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصدر فاذا انهیت الرسالة بلغنی عن بعض الافاضل عـه حفظه الله تعالٰی قال مذاکرة لا مجادلة ان العلامة ابن عابدین ذکر فی ردالمحتار تفریعا علی ان من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیه مالا متقوما انه لم ینعقد بیع کسرة خبز لان ادنی القیمة التی تشترط

تنبیہ: میں نے جواب میں اسی پر اکتفاء کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کر چکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عـه یعنی فاضل حامد احمد محمد جداوی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس[1] ومعلوم ان
ھذا القدر من القرطاس لایساوی
فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا
فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ **اقول** وباللہ
التوفیق ھذا قالہ قبل ان یطالع رسالتی
ولذلک وددت انہ سلمہ ربہ طالعھا
واطلع علی ما فیھا والجواب ظاھر
بملاحظۃ قولہ لایساوی فلسا
فبون بتین بین لایساوی ولم یکن
یساوی لانہ الاٰن یساوی مائۃ
والفا والنظر للحال لا للاصل
الاتری ان بیع اوانی الخزف
والطین کبارھا وصغارھا
من الحب والجفنۃ الی نحو
راس الشیشۃ شائع ذائع بین
عامۃ المسلمین ولم ینکرہ
احد مع ان اصلہ تراب والتراب
لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت
مسألۃ الفلس المتمسک بھا علی نفسھا
بالنقص لما علمت ان قطعۃ نحاس بوزن
فلس لاتساوی فلسا قط بل لا تبلغ
نصفہ ایضا ولذا اولعت الحجاز فون
باصطناع قوالب کقالب دار الضرب

ہونا شرط ہے انتہی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ
کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے
کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار،
اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق
اللہ تعالٰی سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ
دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ
کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر
مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس
کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا
نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک
پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب
تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی
حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی،
کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے
گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام
مسلمانوں میں رائج ومعروف ہے اور کوئی اس پر
انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی
مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود
اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم
ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے
برابر ہو ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور
اسی لئے بیاکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی
ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

يذيبون النحاس ويقلبونه فيها فيصير فلوسا ويربحون به ضعف ما خسروا ويقولون انه انفع من ضرب الربا[1]، فبالنظر للاصل لايساوي الفلس نفسه فلسا فلا يكون مالا متقوما فكيف يكون قيمة وثمنا ومن تأمل حديث ورقة علم الذي قدمنا علم ان الشئ انما ينظر اليه بما هو عليه الأن لا بما قد كان الا ترى ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الى انه في الاصل من الذين قال الله تعالٰى فيهم والله الذي اخرجكم من بطون امهتكم لا تعلمون شيئا[1] وما ذلك الا لانه بحدوث وصف فيه صار متقوما عند الله و عند الناس بعد ان لم يكن وكذلك ورقة العلم لما تجدد فيها من كتابة ذلك العلم وكذلك النوط لما حدث فيه بذلك الرقم والطبع ما استجلب الرغبات اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع و يجرى فيه البذل والمنع ولا قيمة للايراد بانه لايمشي في كل البلاد فان هذا ليس من لوازم المالية عند احد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شَے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالتِ گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہوگیا جس کے سبب خالق وخلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہوگئی جو پہلے نہ تھی اور ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہوگئی جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اوّ یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بل ھذا ھو حال اکثر العملۃ المضروبۃ الا تری ان الخمسات والعشرات والھللات الرائجۃ ھٰھنا لا تروج فی الھند اصلا وکذٰلك لا تمشی فلوس الھند ھنا بخلاف النوط فان نوط الھند نافق ھھنا بالمشاھدۃ ولبعض النقصان لا یمنع المشی ولا یوجب الکساد بل قد اصطرفت انا فی ذی الحجۃ ھذہ بھذا البلد الامین نوطا افرنجیا معلما برقم خمسمائۃ روبیۃ بثلثۃ وثلثین جنیھا وخمس ربابی وھذا ثمنہ سواء بسواء فالجنھیات باربعمائۃ وخمس وتسعین وھی مع الخمس خمسمائۃ ربیۃ

وقد قال فی الکفایۃ اوائل باب البیع الفاسد ان صفۃ المالیۃ للشیئ بتمول کل الناس او بتمول البعض[1] ایاہ اھ ومثلہ فی فتح القدیر، وفی رد المحتار عن البحر الرائق عن الکشف الکبیر المال ما یمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ والمالیۃ تثبت بتمول الناس کافۃ او بعضھم[2] اھ فتبین ان الفرع المذکور المتمسك بہ لا مساس لہ بما نحن فیہ ولکن العبد الضعیف

نہیں بلکہ سکّہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں ہند میں اصلاً نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چارسو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یُوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اُسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ بحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بنائیں انتہی، تو ظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۲

[2] رد المحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

يجب ان يكشف الحجاب عن حالـه ايضا كيلا يغتر به فی محل اٰخر مع مافيه من تحجير ما وسعه الشرع المطهر **فاقول** وبه استعين اصل الفرع للقنية فرد المحتار نقله عن البحر والبحر نقله عنها وتبعه تلميذه العلامة الغزی وبالغ حتی ادخله فی متنه فی متفرقات البيوع قبل الصرف مع خلو اصله اعنی الغرر والدرر عنه وقد رده شارحه العلامة العلائی الی القنية بل اعترف به المصنف نفسه فی شرحه منح الغفار فقال بعد ايراده متنا نقله فی القنية ايضا اھ[1] ای كما نقل المسألة قبله فيها وهی صح بيع خرء حمام كثير وهبته، والقنية مشهورة بضعف الرواية وصرحوا انها اذا خالفت المشاهير لم تقبل بل قد نصوا انها اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم يعضدها نقل معتمد من غيرها والعبرة بالمنقول عنه لابالناقل وبكثرة

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس دقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا **اقول** وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے رد المحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع و ہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علمائے نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

---

[1] منح الغفار شرح الدر المختار

النقول لاتدفع الغرابة اذا لم یکن
مستندهم الا واحدا کما بینت کل
ذلك فی کتابی فی أداب المفتی سمیته
فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم
فی الظهیریة استحباب القیام بعد
سجود التلاوة مثل ما قبله ونقله
مافی التاتارخانیة والغنیة والمضمرات
وعنها فی البحر ومشی علیه
فی الدر وغیره ومع ذلك حکم فی
البحرانه غریب قال الشامی وجه
غرابته انه انفرد بذکره صاحب
الظهیریة ولذا اعزاه من بعده الیها
فقط اهـ[1] وانت تعلم ان فرع
القنیة لم یرزق من النقول هذا القدر
ایضا ولا القنیة کالظهیریة فانی تغرب
عنه الغرابة ویالیته لم یکن الا
غریبا فیکون کالشاذ لکنه کالمنکر لان کلتا
المخالفتین نقد وقته مخالفة المشاهیر
ومخالفة قواعد الشرع المنیر اما
الاولی فلقد کان ناهیك فیها قول
الفتح والشرنبلالی والطحطاوی وردالمحتار
وغیرها من معتمدات الاسفار لوباع کاغذة
بالف یجوز[2] وجزاهم الله الحسنی وزیادة

کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ
ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہٰی ہو جیسے کہ میں
نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا
جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضا
فی رسم الافتاء رکھا ، اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدۂ تلاوت
کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ
مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے
نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر
چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب
ہے ۔ علامہ شامی نے فرمایا ، اس کی غرابت کی
وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور
اسی واسطے بعد والوں نے فقط اسی کی طرف اُسے
نسبت کیا انتہی ، اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ
کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ
کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش
وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا
مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں
مخالفتیں اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی
مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلی
مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور
شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں
میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز
ہے تو اللہ تعالٰی انھیں بھلائی اور اس سے زیادہ

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ١/٥١٥

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/٣٢٤

علیٰ زیادۃ تاء الوحدۃ فی کاغذۃ لکن ھھنا شیئ اٰخر اجل و اکبر لایرد و لایرام و لایمس غبارہ الاوھام و ھو اجماع ائمتنا جمیعا فی الروایات الظاھرۃ عنھم و اطباق متون المذھب وشروحہ و فتاواہ علی جواز بیع تمرۃ بتمرتین و جوزۃ بجوزتین، وزاد فی الفتح و الدر ابرۃ بابرتین[1] وکل احد یعلم ان لیس شیئ منھا یساوی فلسا ففی بلادنا تکون عدۃ صالحۃ من التمر بفلس و ھو ھھنا ارخص وکذلک الجوز و ھو ارخص فی بلادنا و ثمہ تجد الابر بفلس من ثمان الی خمس وعشرین فھذہ مخالفۃ بینۃ لجمیع المشاھیر بل لنصوص جمیع ائمۃ المذھب والمحقق حیث اطلق وان رجح روایۃ المعلی عن محمد بکراھۃ تمرۃ بتمرتین لکنہ لالاجل التفاضل لا لان تمرۃ لایساوی فلسا فلو باع تمرۃ من

جزا دے کر انھوں نے کاغذ میں تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے نہایت جلیل و عظیم کہ نہ رَد ہوسکے نہ اس پرکوئی آنکھ اٹھا سکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جو ان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارا دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سُوئیوں کے بدلے ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سُوئیاں ملتی ہیں تو اس مسئلہ فقیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک جانب زیادتی کے سبب سے ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[1] درمختار باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۱

البرنی بتمرۃ من الجنیب مثلا لم تمسہ روایۃ المعلی ولا ترجیح المحقق ثم الروایۃ ایضا لا تقول الا بالکراھۃ فاین البطلان و عدم الانعقاد الذی کنتم تدعون واما الثانیۃ فاقول اکثر تعیش الفقراء فی مملکۃ الھند علی کبرھا واتساعھا (فان عمارتھا عرضا من ثمان درج شمالیۃ عن خط الاستواء الی خمس وثلثین درجۃ وطولا من ست وستین درجۃ شرقیۃ عن قرینص الی اثنتین و تسعین درجۃ) انما ھو بالمبایعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغیرھا فرب فقیر یشتری لادامہ شیئا من البقول بنصف فلس ویصب فیہ دھن الشیرج بنصف فلس والتوابل الثلث جمیعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وکذا الملح بربع فلس فیتھیؤ لہ الادام فی فلسین الا ربعا ویاکلہ غداء وعشاء ویشتری لسراجہ الدھن بنصف فلس یکفیہ من المساء الی قریب نصف اللیل وقربۃ کبیرۃ من الماء العذب بنصف فلس وقد کانت قبیل ھذا بثلث فلس وتجد علبۃ الکبریت بنصف فلس و یشتری لعیالہ من الذ فواکہ

نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تو اس سے نہ روایت معلی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعوٰی تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول** (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خطِ استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہو جاتی ہے اور اسے صبح و شام دو وقت کرکے کھا لیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

7
7

الهند المشهورة عند العرب باسم العنب
بفتح العين وسكون النون وبالفارسية
آنبة وبالهندية آم جملة كثيرة بنصف
فلس وكذا من الجامون ومن التمر
الهندی بربع فلس وان كان متعودا
بالتامول والتتن فيكفيه ليوم بليلة
الورق بنصف فلس والفوفل والكات
والتنباك الماكول كل بربع ربع
فتنقضی حاجة یومه فی فلس وربع
وان كان يشرب الدخان فيكفيه التتن
بنصف فلس وامثال ذلك اشياء كثيرة
تباع باجزاء الفلس حتى الثمن ونصف
الثمن ولولا ذلك لضاق الامور وثقل على
اخفاء ذات اليد بحيث لا يطيقون ولو
ابطلنا تلك البياعات الشائعة فی الالوف مؤلفة
من المسلمين والزمناهم ان لا يشتروا شيئًا
باقل من فلس قط مع ان حاجاتهم
تندفع بالربع وبالثمن لكان هذا من
وضع الاصر عليهم وماجاءت هذه الشريعة
السمحة السهلة الغراء الا برفعه وربما لا يجدون
هذا القدر من الفلوس فان الادام الذی كان
تهيأ فی فلس واحد وثلثة ارباع فلس الا
ان لا يتأتى الا فی ثمانية فلوس والتامول التام فی
فلس وربع لا يتم الا فی اربعة فلوس وقس عليه
فاذا لم يجد لادامه الا فلسين والزمتموه ثمانية

مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین و
سکون نون) کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور
ہندی میں آم بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے
ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا
عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت
کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے
کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی
حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو
تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں
پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور
آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہوجائے اور کم
استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا
نہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع
ہیں اگر ہم باطل کردیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی
چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں
چھدام اور دمڑی میں پوری ہوجاتی ہیں تو یہ ان پر
بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم آسان
شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ
اکثر اوقات اتنے پیسے انھیں ملیں گے بھی نہیں
اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار
ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا اور
پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک
آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی
ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم
اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا انا مرون ایکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحہ و یسیغہ ویعین علی ھضمہ[1] والمعتادون بالادام وھم الناس کلھم او جلھم لو اکتفوا بھذا لم یلائمھم واورث اسقاما فیھم فان ترک العادۃ عداوۃ مستفادۃ[1] ام یتکفف والتکفف ذل وحرام، ام یغصب وفی الغصب اشد الغضب والانتقام ام یؤمر البیاعون والبقالون والسقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا لانھا لا تساوی فلسا وما لا یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ لہ فھم کیف یرضون بھذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر فلیعطوا کلا حوائجہ فتذھب متاجرھم بلا شیئ فاذن لا سبیل الا فتح باب البیع وقد فتحہ القرآن بقولہ تعالی مطلقا واحل اللہ البیع[1]، وقولہ تعالی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[2]، و

آٹا پھانکے یا جَو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنھیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انھیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انھیں مفت دے دیں اس لئے کہ وہ ایک پیسے کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے، اور اگر راضی ہوجائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہیے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالیٰ نے بیع"، اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھاری آپس کی رضامندی کا"، اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۷۵
[2] " ۴/۲۹

وماکان شرع البیع الا لدفع تلک الشنائم ففی تحجیرہ و قد وسعہ اللہ اعادۃ لہا وعود علی مقصود الشرع بالنقض قال المحقق فی الفتح لولم یشرع البیع سببا للتملیک فی البدلین لاحتاج ان یؤخذ علی التغالب والمقاھرۃ او السؤال والشحاذۃ اویصبر حتی یموت و فی کل منہا مالایخفی من الفساد وفی الثانی من الذل والصغار مالایقدر علیہ کل احد ویزری بصاحبہ فکان فی شرعیتہ بقاء المکلفین المحتاجین ودفع حاجاتہم علی النظام الحسن [1] اھ ومعلوم ان الشرع لم یحد فی ھذا حدا انما احل البیع وھو مبادلۃ مال بمال الخ والمال کما مر ما یمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ وھذا صادق قطعا علی ما قصصنا مما یساوی نصف فلس وربعہ فایجاب ان لایکون الا بفلس لایکون الا تحکما و زیادۃ فی الشرع فکیف یقبل ثم لعل لقائل ان یقول لم یات الشرع بتقدیر الفلس وھو مختلف باختلاف الزمان والمکان

بیع کا مشروع کرنا انھیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالٰی اسے واسع فرما چکا ہے انھیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بنا کر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۵

ولا سبيل الى اعتبار كل فى محلة
لما تقدم ان المالية تثبت بتمول البعض
فوجب الفحص كل حين عن اصغر
فلس يروج فى الدنيا وفيه حرج
والحرج مدفوع بالنص فافهم
وقال فى الكفاية[1] اول البيع الفاسد
قد تثبت صفة التقوم بدون
المالية فان حبة من الحنطة
ليست بمال حتى لا يصح بيعها وان
ابيح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول
الناس اياه اھ مثله فى الكشف
الكبير والبحر الرائق ورد المحتار[2]
وقال فى الفتح مكان حبة حبات
ولم نر احدا منهم ذكر ان مادون
ما يساوى فلسا ليس بمال و
كان مبنى الفرع على انه لم يكن
فى زمنه ثمن دون الفلس او
لم يجده فى تقديرات الشرع
فحكم بان مادونه ليس بشئ
كما حكم فى الاسرار بان مادون
الحبة من الذهب والفضة لا قيمة له كما
نقل عنها فى الفتح لانهم لم يعرفوا

بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ
معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے
سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت
اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا
پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج
کو نص نے دفع فرمایا ہے فافہم اور بیشک کفایہ
کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے
میں با قیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت
ہو جاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں
تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل
کرنا شرعاً جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں
سمجھتے انتہی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و
رد المحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ
چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے
نہ دیکھا کہ ایک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید
اس مسئلہ فقہیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے
میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے
جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا
تو یہ حکم لگا دیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ
نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر
سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر
میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر — باب البیع الفاسد — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۶/۴۳
[2] رد المحتار بحوالہ الفتح القدیر — باب الربا — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۱۸۰

لهما مقدارا دون الحبة وقد عرفت فی
دیارنا الی ثمن حبة وقیمة ذهب
یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان
فلسان ای نحو هللة واحدة ههنا
وهو لاشك مال متقوم فکیف بما فوقه
مما یساوی ربع حبة و نصفها
وازید منه الی حبة وکما حکم
کثیرون بان مادون نصف صاع
خارج عن المعیار فیجوز فیه التفاضل مع
اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة
حفنة بحفنتین وقد ردہ المحقق
فی الفتح قائلا لایسکن الخاطر الی
هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد
الی صیانة اموال الناس تحریم التفاحة
بالتفاحتین والحفنة بالحفنتین
اما ان کانت مکاییل اصغر
منها کما فی دیارنا من وضع
ربع القدح وثمن القدح المصری
فلا شك وکون الشرع لم یقدر
بعض المقدرات الشرعیة فی
الواجبات المالیة کالکفارات وصدقة
الفطر باقل منه لایستلزم اهدار
التفاوت المتیقن[1] الخ واقره
فی البحر والنهر

کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں
میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول)
تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر
سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ہللہ
کے قریب، وہ بلاشبہہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو
اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی
یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت
علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ
سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے
کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک
لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر
متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر اس کا رد کیا یہ
فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا
بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے،
تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے
ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا
حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں
جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا
آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور
یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ
فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف
صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے بے اثر
کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

[1] فتح القدیر باب الربو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۱۵۲-۵۳

و الشرنبلالية والدر والحواشي وغيرها وهو حسن وجيه كذلك نقول ههنا يجب بعد تعريف المال بما مر ان يكون كل ما ذكرنا مما لا يساوي فلسا مالا متقوما اما ان كانت اثمان اصغر من فلس كما في ديارنا من وضع ربع الفلس و ثمن الفلس فلا شك، وكون الشرع لم يذكر ما دون فلس لا يستلزم اهدار المالية المتيقنة ـ فهذا ما عندي والعلم بالحق عند ربي، والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

اور شرنبلالیہ اور درمختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً معلوم ہے باطل کر دی جائے ـ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم ۔

واما السابع

فاقول قد اذناك انه ثمن اصطلاحي فاستبداله بالثوب لا يكون مقايضة بل بيعا مطلقا ولا يتعين النوط بل يلزم في الذمة كالفلوس۔

جواب سوال ہفتم

فاقول (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

واما الثامن

فاقول نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلي ولا يقضى الا بالمثل لانه شان القرض بل كل دين لا يقضى الا بمثله الا ان يتراضيا۔

جواب سوال ہشتم

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

واما التاسع

فاقول نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین وتحقیق ذٰلک ان بیع النوط بالدراھم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیۃ بما خلق لھا کما فسرہ بہ البحر والدر وغیرھما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلک وانما عرض لھا الثمنیۃ بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض و بعدم کونہ صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونھا اثمانا بالرواج لابد من قبض احد الجانبین والاحرم لنھیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالیٔ بالکالیٔ والمسئلۃ منصوص علیھا فی مبسوط الامام محمد واعتمدہ فی المحیط[عہ] والحاوی والبزازیۃ والبحر والنھر

جواب سوال نہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف بحر ودر وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر

عہ ای محیط الامام السرخسی انتھی منہ

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵

وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرها وهو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه ففی الهندیة عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ[1] وفیها عن الحاوی وغیره لو اشتری مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من الفلوس اھ[2] وفیها عن محیط السرخسی نحوه وفیها عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراهم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لاغیر لایجوز سواء کان العقد صرفا ولم یکن بیانه فیما اذا کان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس او الطعام بدراهم وتفرقا

اور فتاوی حانوتی اور تنویر اور دُرر اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ البحر اُن سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہوا اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہوجائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اسی میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ وہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہوکر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہوا صرف ایک طرف کا حکماً ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۲۴

[2] " " " " " " " ۳/۲۲۵

قبل نقد الدراهم کان العقد باطلا وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه غافلون[1] اھ وفیها عنها اعطی رجلا درھما وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه درھما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدرھم الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی حصة الدرھم وان لم یکن دفع الدرھم الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل[2] اھ وفیها عنها اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا ثم وجد فیها فلسا لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورة اذا کانت الفلوس ثمن متاع لایبطل العقد سواء کان المردود قلیلا او کثیرا استبدل اولم یستبدل وان کانت الفلوس ثمن الدراھم مقبوضة فرد الذی لاینفق واستبدل اولم یستبدل فالعقد باق علی الصحة وکذلك لو وجد الکل فی ھذہ الصورة لاینفق وردھا واستبدل ویستبدل فالعقد باق علی الصحة وان لم تکن الدراھم مقبوضة ان وجد کل

سے پہلے جُدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی، اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی، اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جُدا ہوگئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ، اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں، اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہوچکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی، اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[2] ؍؍ کتاب الصرف الفصل الثالث ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/ ۲۲۵

الفلوس لاینفق فردها بطل العقد فی قول ابی حنیفة استبدل فی مجلس الرد اولم یستبدل، وقالا ان استبدل فی مجلس الرد فهو صحیح علی حالہ وان لم یستبدل انتقض وان کان البعض لاینفق ردها فالقیاس ان ینتقض العقد بقدرہ لکن اباحنیفة رحمہ اللّٰہ تعالٰی استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل فی مجلس الرد ان لاینتقض العقد اصلا و اختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایة اذا زاد علی النصف فکثیر وما دونہ قلیل وفی روایة النصف کثیر وفی روایة اذا زاد علی الثلث[1] اھ کلہا ملخصا، وانما اکثرنا النقول عن الذخیرة لانہ سیاتی عنہا نقل خلاف فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر منك انہ جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراھم فی غیر موضع بالجواز و لم یلم ھٰھنا بذکر خلاف اصلا، وفی تنویر الابصار والدرالمختار باع فلوسا بمثلھا اوبدراھم وبدنانیر

کھوٹے پائے اور واپس دے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہوجائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلاً نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں، ایک روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے، اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصاً۔ اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور تنویر الابصار و درمختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵-۲۲۶

فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلاقبض احدهما لم يجز[1] اھ وبالجملة فالمسئلة ظاهرة والنقول متوافرة و ان خالفها العلامة قارئ الهداية فی فتاواه فشرط التقابض وحرم النسئة وهذا نصها (سئل) هل يجوز بيع مثقال من الذهب بقنطار من الفلوس نسئة ام لا، (اجاب) لايجوز بيع الفلوس الى اجل بذهب اوفضة لان علماءنا نصوا على انه لايجوز اسلام موزون فی موزون الا اذا كان الموزون المسلم فيه مبيعا كزعفران اوغيره والفلوس ليست من المبيعات بل صارت اثمانا اھ ورده العلامة الحانوتی حين سئل عن بيع الذهب بالفلوس نسئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدلين لما فی البزازية لو اشتری مائة فلس بدرهم يكفی التقابض من احد الجانبين قال و مثله مالوباع فضة او ذهبا بفلوس

قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتہی، الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاوی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزوں چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی، اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا، جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوی قاری الہدایہ " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

كما فی البحر عن المحیط قال
فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الھدایۃ[1]
اھ واجاب عنه فی النھر بان
مرادہ بالبیع السلم والفلوس لھا
شبه بالثمن ولا یصح السلم فی
الاثمان ومن حیث انھا عروض
فی الاصل اکتفی بالقبض من احد
الجانبین[2] **اقول** وھذا ھو المستفاد
من تعلیله بان علماءنا
نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون
فی موزون الخ لکن لم یقتنع به العلامة
ابن عابدین فی رد المحتار واجاب
بحمل ما فی فتاوی قارئ الھدایۃ علی ما دل
علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط
التقابض من الجانبین قال فلا یعترض
علیه بما فی البزازیۃ المحمول علی
ما فی الاصل یعنی المبسوط[3] ونقل قبیله
عن البحر عن الذخیرۃ ان محمدا ذکر
مسئلة بیع فلس بفلسین باعیانھما فی
صرف الاصل ولم یشترط التقابض و
ذکر فی الجامع ما یدل علی انه

جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوی
قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا
جائے انتہی، اور اس اعتراض کا نہر میں یہ
جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی
ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے
اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت
سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ
کافی سمجھا گیا **اقول** (میں کہتا ہوں) یہی ان
کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء
نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں
ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے
ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا
کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے
جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف
سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے
اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام
محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے
نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں
ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچنے کا مسئلہ
ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر
میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الحانوتی باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۸۴
[2] " " النھر " " " "
[3] ردالمحتار کتاب البیوع " " " "

شرط فمنهم من لم یصحح الثانی لان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حکم العروض من وجه وحکم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی[1] اھ اقول وباللّٰہ التوفیق ما جنح الیہ الشامی تبعا للبحر تبعا للذخیرۃ من دلالۃ کلام الجامع الصغیر علی اشتراط التقابض فللعبد الضعیف فیہ تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصہ ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیۃ او باع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضۃ ببیضتین او جوزۃ بجوزتین او فلسا بفلسین او تمرۃ بتمرتین یدا بید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی وقال محمد رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرۃ بتمرتین[2] اھ

شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعیین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی، اقول وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

[1] رد المحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] الجامع الصغیر باب البیع فیما یکال او یوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

كلامه الشريف قدس سره المنيف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰى يدا بيد لكن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ ليس نصا صريحا فی التقابض بالبراجم الاترى علمائنا رحمهم الله تعالٰى فسروه فی الحديث المعروف بالعينية كما قال فی الهداية ومعنى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يدا بيد عينا بعين كذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰى عنه[1] اھ كيف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰى عنهم ان التقابض انما يشترط فی الصرف واما ماسواه مما يجری فيه الربا فانما يعتبر فيه التعيين كما فی الهداية[2] وغيرها وقال فی التنوير المعتبر تعيين الربوی فی غير الصرف بلا شرط تقابض[3] قال فی الدر حتى لو باع برا ببر بعينهما وتفرقا قبل القبض جاز[4] اھ فان

کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہوجائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہوجائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳-۸۲
[2] " " " ۳/ ۸۲
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱
[4] " " " " " " " ۲/ ۴۱

28

حمل قوله هذا في العبارة التي ذكرنا على التقابض واستجاب منه اشتراط ذلك في فلس بفلسين كان ايضا مشترطا في تمرة بتمرتين وبيضة ببيضتين وجوزة بجوزتين عند من يقول ان القيد راجع للمسائل جميعا كالنهر والدر وغيرهما فان المسائل كلها مسوقة سياقا واحدا الا سيما في عبارة الجامع فان القيد مذكور فيه بعد تمرة بتمرتين وانما ذكر فلسا بفلسين قبله، و هذا لم يقل به ائمتنا فوجب حمله على اشتراط التعيين وكان قوله رضي الله تعالٰى عنه باعيانها تفسيرا لقوله يدا بيد و الا لكان حشوا مستغنى عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعين وان يد فذكره بعدہ لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالٰى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اي محمد كما صرح به العلامة بدر العيني في البناية) يجوز بيع البيضة

اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کر دیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہو گئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور در مختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصاً عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی)[1] ایک انڈا

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۱۵۴

بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما[1] اھ فظھر ظھور الشمس فی رابعۃ النھاران لیس فی الجامع دلیل علی مافھم ھؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظھر وانھر لایردولایرام ولاحجۃ فی المحتمل بخلاف عبارۃ الاصل فانھا نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیہ فلیکن التعویل والتوفیق باللہ الملک الجلیل، ثم لایخفی علیک ان ھذا کلہ کان مماشاۃ منا مع العلامۃ الشامی والمقصود ابانۃ مفاد الجامع والا فالحق ان فتوی العلامۃ سراج الدین مابھا حاجۃ الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولاھو مدعاہ[عہ۱] ولا علیہ[عہ۲] توقف لما ادعاہ فانہ

دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی، تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رَد ہو نہ اس کی طرف کوئی بُرا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سُن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے، پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ اُن کا مدعٰی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوٰی موقوف

عہ۱: لانہ سلمہ سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منہ۔

عہ۲: لان السلم لایجوز فی الثمن سواء کان فیما یشترط فیہ التقابض کثمن فی ثمن اولا کبیع فی ثمن اھ منہ۔

عہ۱: کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھرتے ہو ۱۲ منہ

عہ۲: کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲ منہ

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

انما حرم النسیئة وحرمتها لا توجب[عل۱] عینیة الجانبین ایضا فضلا عن التقابض الا تری ان بیع ثوب بدرهم حالا لیس بنسیئة ولا فیه العینیتان نعم ایجاب العینیة من الجانبین یوجب تحریم النسیئة لان التاجیل للترفیة فی التحصیل والعین متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع علی هذا الوجه لکان[عل۲] له وجه وسلم من الاعتراض المذکور واذن اقول وبالله التوفیق لا یخفی علیك ان اشتراط العینیة من الجانبین فی الربویات وهی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیه فی سلم الفتح وغیره حیث قال انما یمتنع ذلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسها والمعدود لیس منها[۱] اھ کما قال فی البحر تحت

کہ وُہ تو ادھار کو حرام بتارہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضۂ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شئی کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی اور اب میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے عین کی شرط اموالِ ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

عل۱ وانما کانت توجب لو کان انتفاء النسیئة مستلزما لوجود العینیین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور ۱۲ منه۔

عل۲ لکونه دلیلا علی الحکم الذی افتی

عل۱ واجب تو جب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ

عل۲ کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انھوں نے

(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعد مهما أی الفضل والنسأ عند انعدام القدر والجنس فیجوز بیع ثوب هروی بمرویین نسیئة[1] والجوز بالبیض نسیئة[1]" و قال تحت قوله "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"

جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق میں فرمایا یعنی جب قدر وجنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفية دون السلمية و من هذا الباب ما فی الهندیة عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکر القرض من المقرض بمائة وانه یجوز اذا شری ما فی ذمته ونقد الثمن فی المجلس والا لا لافتراقهما عن دین بدین ثم قال کذٰلك الجواب فی کل مکیل وموزون غیر الدراهم والفلوس اذا کان قرضا[2] اھ فجعل الفلوس مما لا یجوز شراؤه دینا فی الذمة بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ما قدمنا عن الهندیة عن

فتوٰی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے ولہذا جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلّہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلّہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہٖ وُہ غلّہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کر دی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جُدا ہو گئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی، تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرح انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو ان کا خریدنا ناجائز ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱؎ بحر الرائق کتاب البیوع باب الربٰو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۹
۲؎ فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۵

بیانہ ماذکرہ الاسبیجابی بقولہ و اذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی فی کلاھما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یکون کلاھما عینا اضیف الیہ العقد وھو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی ملکہ[1] الخ وانما عللوا وجوبھا فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینہ بفلسین بغیر عینھما امسک البائع الفلس المعین و طالبہ بفلس اٰخر و سلم الفلس المعین و قبضہ بعینہ مع فلس اٰخر لاستحقاقہ فلسین فی

کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الذخیرۃ ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدھما حقیقۃ جاز ومثلہ فی ردالمحتار عن الوجیز و بالجملۃ جعلہ صرفا صرف لہ عما نص علیہ عامۃ الاصحاب فی غیر ما کتاب، واللہ تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہو جائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کر چکے کہ ماسوائے صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکماً مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۰

ذمته فيرجع اليه عين ماله و يبقى الفلس الأخر خاليا عن العوض وكذا لو باع فلسين باعيانهما بفلس بغير عينه قبض المشتري الفلسين ودفع اليه احدهما مكان ما استوجب عليه فيبقى الأخر فضلا بلا عوض استحق بعقد البيع كما في الفتح[1] ونحوه في العناية وغيرها وهذه العلة لاجريان لها في الدراهم بالفلوس نسيئة كما لايخفى فضلا من النوط بالدراهم فعبارة قارئ الهداية احسن محمل لها ما ذكر في النهر ويكون اذن مبنيا على رواية نادرة عن محمد رحمة الله تعالٰى عليه كما سيأتي و ان لم يسلم فهي فتوى من دون سند ولا[عه] تعلم له سلفا فيها وهو لم يستند لنقل

کہ ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انھیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دُوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہوسکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اُس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عه ای بالوجه الذی ذکروان صرف الی الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اھ منه۔

عه یعنی اُس طریقے سے جو اُنھوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیرو تو تمھیں معلوم ہوچکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وما تجشم له الشامی فقد علمت حاله
فکیف یعارض به ما تطابقت علیه
کلمات اولئك الاجلة الکرام الذین
قصصتهم علیك و امامهم فیها نصّ
محمد فی الاصل فهو القول **ثم اقول**
علا ان ما ذکر العلامة قاریٔ
الهدایة ذهولین صریحین عن
مسائل المذهب ذهول عما نصّ علیه
علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت
عن الوزنیة الی العددیة و ذهول عما
نصّوا علیه ان ثمنیتها تبطل باصطلاح
العاقدین وان بطلانها لا یبطل
الاصطلاح علی العددیة وکل ذلك
منصوص علیه فی الهدایة
وغیرها وهذا نصها ولهما ان
الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما
واذا بطلت الثمنیة تتعین
بالتعیین ولا یعود وزنیا
لبقاء الاصطلاح علی العد[1] اھ
وسنلقی علیك ان محمدا
ایضا سلّم فی السلم
بطلان الثمنیة وانما
انکره فی البیع لعدم الدلیل

اور وہ جو اُن کے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اُس کا
حال معلوم ہوچکا تو اُس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے
اُس حکم کا جس پر اُن اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن
کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اُس میں اُن کا
امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل
ہے **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں
وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اُس میں مسائل
مذہب سے صاف دو ذہول ہیں ایک ذہول تو اُس
سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح
کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہوکر گنتی کی
چیز ہوگئے، اور دوسرا ذہول اُس سے جو علماء نے
نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع ومشتری کی اپنی
اصطلاح سے باطل ہوجاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان
سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی
چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ
وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام
اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع
ومشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت
ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں
تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں
اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین
ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے
کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمھیں

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

فهو مجمع عليه بين ائمتنا فاذن اسلام احد النقدين في الفلوس ليس سلما في ثمن ولا اسلام موزون في موزون بل موزون في عددي متقارب مثمن ولا باس به باجماع علمائنا رحمهم الله تعالٰى، و بالجملة فالعبد الضعيف لا يعلم لهذه الفتوى وجه صحة اصلا تأمل لعل لكلامه وجها لست احصله بفهمي السخيف ولعلي انا الاولى بالخطأ من هذا العلامة العريف رحمه الله تعالٰى،

ثم اقول ولئن سلمنا فلنا ان نقول ما ذكر انما يتمشى في الفلوس، اما النوط فليس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم يشملها المعيار كحفنة من حب وذرة من ذهب فمسئلتنا هذه سالمة عن الخلاف على كل حال والحمد لله ذي الجلال هكذا ينبغي التحقيق والله ولي التوفيق۔

بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندۂ ضعیف اس فتوٰی کے لئے اصلاً کوئی وجہ صحت نہیں جانتا، تأمل کر، شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔

ثم اقول (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار انھیں شامل نہ ہوتی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہرحال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر

فاقول نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لا یجوز فانه ثمن و لا سلم فی الاثمان کما تقدم عن النهر والتحقیق ان ھذا انما یبتنی علی روایۃ نادرۃ عن محمد و الا فالمنصوص علیہ فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیۃ وھی النقدان لا غیر لعدم قدرۃ العاقدین علی ابطال ثمنیتھما بخلاف الاثمان الاصطلاحیۃ قال فی التنویر و الدر (یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفتہ) کجودتہ وردائتہ (ومعرفۃ قدرہ ککیل وموزون و) خرج بقولہ (مثمن) الدراھم و الدنانیر لانھما اثمان فلم یجز فیھا السلم خلافا لمالک (وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس[1] الخ قال ابن عابدین قولہ وفلس الاولی وفلوس لانہ مفرد لا اسم جنس، قیل

جواب سوال دہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے اُن میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس، اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف اُن چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے جیسے اُس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو اُن میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اُس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولٰی یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں،

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۷

وفیه خلاف محمد لمنعه بیع
الفلس بالفلسین الا ان ظاهر
الروایة عنه کقولهما وبیان الفرق
فی النهر وغیره اھ[1] فکان النهر
انما ابداه تاویلا لفتوی قارئ
الهدایة حتی یحصل له مستند
ولو فی النوادر ولم یرد به تعویلا
علیه، وفی الهدایة[2]
وکذا فی الفلوس عددا
وقیل هذا عند ابی حنیفة وابی یوسف
رحمهما الله تعالٰی وعند محمد لا یجوز
لانها اثمان ولهما ان الثمنیة فی
حقهما باصطلاحهما فتبطل باصطلاحهما
قال فی الفتح ای یجوز
السلم فی الفلوس عددا هکذا
ذکره محمد رحمه الله تعالٰی فی
الجامع من غیر ذکر خلاف
فکان هذا ظاهر الروایة عنه و
قیل بل هذا قول ابی حنیفة وابی یوسف
اما عنده فلا یجوز بدلیل منعه بیع
الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانها اثمان
واذا کانت اثمانا لم یجز السلم فیها لکن ظاهر الروایة

بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے
اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے
ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم
اور ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ
میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ
کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اُس کے لئے کوئی
سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اِس سے اُس پر
اعتماد کرنا نہ چاہا اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں
بدلی جائز ہے اُن کی گنتی مقرر کرکے، اور کہا گیا کہ
کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے
اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے
ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع
و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے
تو اُن کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا،
فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے
اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی
خلاف کا نام نہ لیا، تو یہی امام محمد سے روایت
مشہورہ ہوئی اور بعض نے کہا کہ یہ قول شیخین کا
ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے
کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع
فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے
تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایتِ مشہورہ میں

---

[1] رد المحتار . کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۰۳

[2] الہدایہ " " مطبع یوسفی لکھنو ۳/۹۲

عنه الجواز والفرق لہ بین البیع و السلم ان من ضرورۃ السلم کون المسلم فیہ مثمنا فاذا اقدما علی السلم فقد تضمن ابطالھما اصطلاحھما علی الثمنیۃ و یصح السلم فیھا علی الوجہ الذی یتعامل فیھا بہ وھو العد بخلاف البیع فانہ یجوز ورودہ علی الثمن فلا موجب لخروجھا فیہ عن الثمنیۃ فلا یجوز التفاضل فامتنع بیع الفلس بالفلسین[1] اھ **اقول** لکن فی الفرق نظر فان محمدا لایقول بخروجھا عن الثمنیۃ بمجرد قصد العاقدین مع اتفاق سائر الناس علیھا قال فی الھدایۃ یجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما و اذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما الٰی[2]

امام محمد سے بھی جواز ہی ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انھوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً اُن کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور اُن کی بدلی اُسی طور پر جائز ہے جس طرح اُن میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی **اقول** (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں، ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہوجائیگا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹-۲۰۸

[2] الھدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

اٰخر ما تقدم وقد اقرہ المحقق فی الفتح وقررہ علٰی ھذا النھج فکیف یقول محمد ھھنا ان اقدامھما علی السلم ابطال منھما لاصطلاح الثمنیۃ الاان یقال ان ھذا رجوع عن التعلیل الاول ولم یکن عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ وظھر الاٰن بھذا الفرق ان الوجہ لمحمد لم یکن ذٰلک بل ھو ایضا قائل بان لھما ابطال الاصطلاح فی حقھما ولکن اذا ثبت ھذا عنھما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فیہ لایکون ثمنا قط فاقدامھما علی جعلھا مسلما فیھا دلیل علی الابطال ولم یثبت فی البیع اذ لیس من ضرورتہ ان لایکون المبیع ثمنا فلم یثبت منھما ابطال الاصطلاح فبقیت اثمانا فلم تتعین فبطل البیع وھذا التقریر علٰی ھذا الوجہ ربما یمیل الی ترجیح قول محمد فی البیع فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہوجائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہوسکتی تو پیسوں میں بدلی پر اُن کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اُس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی اور یہ تقریر اس طرز پر بھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو، واللہ تعالٰے اعلم۔

عـہ یشیر الی الجواب بان الحاجۃ الی

عـہ یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح

(باقی بر صفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر

فاقول نعم یجوز بیعہ باز ید من رقمہ وبانقص منہ کیفما تراضیا لم علمت ان تقدیرھا بھذہ المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وھما لاولایۃ للغیر علیھما کما تقدم عن الھدایۃ والفتح فلھما ان یقدرا بما شاء من نقص وزیادۃ وقد تم الجواب بھذا القدر عند کل من لہ سلامۃ الفکر وقد افتیت بہ مرارا وافتی علیہ نا من کبار علماء الھند کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمہ اللہ تعالٰی

جواب سوال یازدہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اُس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر اُن کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو اُن دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکرِ سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پُورا ہو گیا اور میں نے بارہا اس پر فتوی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینۃ علی ذٰلک ولا یلزم کون ذٰلک ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درھما ودینارین بدرھمین ودینار یحمل علی الجواز صرف للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلۃ الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققہ فما الحامل علیہ الا حاجۃ التصحیح وکم لہ من نظیر اھ منہ۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا خود ذات عقد کی طرف سے ناشی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورتِ جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شُبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیها الا رجل[عہ] من لکنؤ ممن یعد من الاعیان ویشار الیه بالبنان ولم اطلع علی خلافه الا بعد موته لما طبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعته فی حیاته لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرّف عرف واذا عرف انصرف فالأن ابدیك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء الله للحق الا القبول والاذعان **فاقول اولاً** نص علماؤنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بکیل او وزن مع الجنس فان وجد احرم الفضل والنسأ وان عدما حلا وان وجد احدهما حل الفضل و حرم النسأ وهذہ قاعدة غیر منخرمة وعلیها تدور جمیع فروع الباب و معلوم ان لا اشتراك فی النوط والدراهم فی جنس ولا قدر اما الجنس فلان هذا قرطاس وتلك فضة واما القدر فلان الدراهم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ[عہ] کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے اُن کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق اُن کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں اُن سے گفتگو کرتا تو اُمید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے کہ اُن صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے، **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) **اوّلاً** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ حرمتِ ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحادِ جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عہ یعنی المولوی عبد الحی اللکنوی اھ منہ

عہ جن کو مولوی عبد الحی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

موزونۃ ولا قدر للنوط اصلا لامکیل و لاموزون فیجب ان یحل الفضل والنسأ جمیعا فاذن لیس النوط من الاموال الربویۃ اصلا و سنزیدک تحقیق الامر فی ذٰلک عن قریب ان شاء اللہ تعالٰی **وثانیاً** قال فی رد المحتار وغیرہ کلما حرم الفضل حرم النسأ ولا عکس وکلما حل النسأ حل الفضل ولا عکس[1] اھ وقد اقمنا البرھان القاطع فی جواب التاسع علی حل النسأ ھٰھنا فوجب حل الفضل و انتظر ما یأتی **وثالثاً** ھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم[2] رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ورابعاً** ھذہ دلائل واضحۃ لاتخفٰی حتی علی الصبیان والاٰن اٰتیک بشیئ یکون لک فیہ مجال تکلم بحسب عقلک ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصواب **فاقول** ارأیتک ھل لیس من المعلوم عندک

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے **ثانیاً** رد المحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں[1] اور جہاں اُدھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو۔ **ثالثاً** یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرمارہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، **رابعاً** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

---

[1] رد المحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۹-۸۰

[2] صحیح مسلم 〃 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵

وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه من الناس بعشرۃ دراهم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذٰلك عن الشرع المطهر قال تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[2] وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لاتبلغ قیمته الفا ولامائة ولادرهما واحدا قط فما ذٰلك الا لان القیمة والثمن متغایران ولایجب علیهما التقید بها فیما ثامنا بل لهما ان یقدرا الثمن باضعاف القیمة او بجزء من مائة جزء لها فان قلت هذا فی السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا قلت اولا فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غیرهما لیس مکرها لهما فضاع الفرق وضاء الحق وثانیا ان سلمنا انهما

نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سَو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا۔ اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلاً مکروہ بھی نہیں، اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سَو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انھیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اس کے سوویں حصہ پر، اب اگر تُو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا اوّلاً پھر کیا ہوا تُو نے اصطلاحاً کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا ثانیاً ہم نے مانا

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹
[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

لایقدران علی ابطال الثمنیۃ فمن این لک ان الاثمان الاصطلاحیۃ لایمکن التغییر فیھا عن التقدیر المصطلح الاتری ان فلوس ربیۃ متعینۃ بتعیین العرف ابدا فکل صبی عاقل یعقل ان ربیۃ بست عشرۃ آنۃ لا بخمس عشرۃ ولا بسبع عشرۃ ثم ھذا التعیین العرفی وکونھا اثمانا مصطلحۃ لایحرم علی العاقدین النقص والزیادۃ قال فی التنویر وشرحہ للعلائی من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا ونصفا الاحبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ وما بقی بالفلوس[1] اھ ولفظ الھدایۃ لوقال اعطنی بنصفہ فلوسا وبنصفہ نصفا الاحبۃ جاز[2] و ثالثا اعل عن الثمن الاصطلاحی ھذان حجران ثمنان خلقۃ و لایقدر احد علی ابطال ثمنیتھما وقد عقل کل من عقل ان الدینار یساوی ابدا عدۃ دراھم ولا یوجد دینار قط یقوم بدرھم واحد ومع ذلک نص ائمتنا

کہ عاقدین ابطالِ ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تو نے کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغییر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعیین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع ومشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اُس کی شرح درمختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکّہ کے برابر ہو وہ تو اس سکّہ کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور ہدایہ کی عبارت یُوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے ثالثاً ثمن اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کہ اصل پیدائش میں ثمن ہیں اور کوئی شخص ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] الہدایۃ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

ان بیع دینار بدرھم صحیح لا ربا فیہ
وما ذلک الا لان الجنس اذا اختلف
حل التفاضل واختلاف جنس النوط
والربابی مما لا یجھلہ الا مجنون
قال فی الھدایۃ والدر وعامۃ
الاسفار الغر صح بیع درھمین
ودینار بدرھم ودینارین
بصرف الجنس بخلاف
جنسہ وکذا بیع احد عشر
درھما بعشرۃ دراھم ودینار اھ[1]
قال ابن عابدین فتکون
العشرۃ بالعشرۃ والدرھم
بالدینار اھ[2] فاذا صح بیع ربیۃ
بجنیہ قیمتہ بالعرف العام خمس
عشرۃ ربیۃ ولم یکن
ربا فکیف یکون بیع نوط
مرقوم علیہ رقم عشرۃ باثنتی
عشرۃ ربیۃ ربا ما ھذا الا
بھت بحت فان قلت ماذکرتم من المسائل
وان صح البیع فیھا لکنہ مکروہ والمکروہ
ممنوع فلا یحل وان صح کذا ھذا قال فی
الھدایۃ لو تبایعا فضۃ بفضۃ او ذھبا بذھب

تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا
صحیح ہے اور اس میں اصلاً ربا نہیں اور اس
کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف
ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں
کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی
مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام
نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی
کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست
ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل
کر دی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس
روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی،
ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے
بدلے ہو جائیں گے اور گیارھویں روپے کے
بدلے ایک اشرفی انتہی، تو جب ایک روپیہ
ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت
عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا
تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا، یہ
تو بڑا بہتان ہے، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم
نے ذکر کیے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر
مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال
نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو ایسے ہی یہاں ہے، ہدایہ
میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

---

[1] الہدایہ — کتاب الصرف — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۹-۱۰۸
الدرالمختار — کتاب البیوع باب الصرف — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۵۵

[2] ردالمحتار — " " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۲۳۹

واحد هما اقل ومع اقلهما شئ آخر تبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهية وان لم تبلغ فمع الكراهة وان لم يكن قيمة كالتراب لايجوز البيع لتحقق الربا اذ الزيادة لايقابلها عوض فيكون ربا[1] اھ واقره في الفتح والشروح والبحر ورد المحتار وغيرها ومعلوم ان مطلق الكراهة ينصرف الى كراهة التحريم بل قال عبد الحليم على الدرر بعد نقل المسئلة واحالة تفصيلها على الفتح ما نصه اذا عرفت هذا فما يتداول في الدولة العثمانية من بيع قرش واحد بثمانين درهما عثمانيا لم يجز لزيادة القرش ولو كان مع الدراهم نحو فلس جاز مع الكراهة فالواجب على المحتاط تسويتهما وزنا او يكون قيمة ما كان مع الدراهم قدر قيمة الزيادة حتى يخلص عن عهدة الكراهة[2] اھ فقد صرح

سے بچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلاکراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سُود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اُس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سُود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبد الحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہوچکا تو وُہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش اسّی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وُہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کی ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی، تو انھوں نے

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹
[2] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فكان فی خلافه كراهة تحريم
وكفى بها للتأثيم، قلت جئت لك
بتقرير الاعتراض بما لو ابديته
من نصك لعلك لم تقدر على
احسن منه الأن اسمع الجواب بتوفيق
الوهاب عزجلاله اما اولاً فلانه اين
ذهب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان
مالية الذهب وكونه اعز من اضعاف
وزنه من الفضة امر خلقی لامدخل
فيه لفرض احد وتقديره ففی مقابلة
دينار بدرهم ينقدح رجحان المالية فی كل
ذهن بخلاف النوط فان تقديره لعشرة مثلا
انما هو مجرد اصطلاح من الناس والا
فنفس القرطاس لايساوی درهما
ولو عشرة فان نظرت الى الاصل فبيع ما قدر
بعشرة ايضا رجحان عظيم فی المالية وان
نظر الى الاصطلاح فاصطلاح غير حاكم على
العاقدين كما اسمعناك نص الهداية والفتح
فاذا قدره الناس بعشرة وما هو فی اصله
الا بفلس مثلا فما المانع لهما ان يقدراه باثنی
عشر فصاعدا او ثمانية فما دونها فلامساس
لهذه المسألة بما نحن فيه واما
ثانيا فلان كلامهم فی مقابلة
الجنس بالجنس اذ فيه يظهر
الفضل الاترى الى قوله

وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی
ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، میں
کہوں گا کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس
طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس
سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے
جواب سُن اولاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے
ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا
چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی
کے فرض وقرارداد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک
روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں
آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اس کی قیمت
دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے
ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے
دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ
دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر
اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع ومشتری پر
حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ وفتح القدیر کا
نص سنادیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار
دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے
کا ہے تو بائع ومشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے
وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا
ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری مبحث سے کوئی
علاقہ نہیں، ثانیاً اُن کا کلام اس صورت میں
ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اسی میں زیادتی
ظاہر ہوتی ہے تو کیا تُو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل[1] ولم يقل تبايعا فضة بذهب واحدها اقل مالية بالسعر المعهود فاذا قوبل الذهب بالذهب المساوی له ظهر الفضل وحينئذ يميز العقل ان المضاف هل يبلغ مقدار هذا الفضل اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان مختلفان فانى يظهر الفضل، ومتى يطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فی العقد، وعلمت ان الخلو فی المعاوضة لايتحقق الا عند المقابلة بالجنس[2] اھ وقد قال سيدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم[3]۔ فهذا اطلاق منه صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم وهو الشارع واليه المرجع واليه المفزع فمن

جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے، اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہوجائیگی اور اُس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں بخلاف اُس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی، فتح القدیر میں فرمایا، ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہوگیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک ہمارے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ تو یہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحبِ شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

---

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۱
[3] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴/ ۴

حجرة بعده ماسوغه فيرد عليه
ولايسمع، واما ثالثا فان الكراهة
فيما اذا لم يبلغ المضموم قيمة
الفضل انما اثرت عن محمد
اما الامام الاعظم والهمام الاقدم
وصاحب المذهب الاكرم رضي الله تعالٰى
عنه فقد نص على عدم الكراهة
فيه قال في الفتح بعد ذكر المسألة
قيل لمحمد كيف تجده في قلبك
قال مثل الجبل ولم تروا الكراهة
عن ابي حنيفة بل صرح في الايضاح انه
لاباس به عند ابي حنيفة[1] وسيأتي
في مثله عن البحر عن القنية عن
البقالي ان عدم الكراهة هو مذهب
ابي حنيفة وابي يوسف معا رضي الله
تعالٰى عنهما وفي الهندية قبيل الكفالة
عن محيط السرخسي عن محمد رحمه الله
تعالٰى انه قال لو باع الدرهم بالدرهم
وفي احدهما فضل من حيث الوزن وفي
الاخر فلوس جاز ولكن اكرهه لان الناس
يعتادون التعامل بمثل هذا ويستعملونه
فيما لايجوز، وقال ابوحنيفة رحمه
الله تعالٰى لاباس به لانه

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو
منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رَد کردیا جائے گا
اور مسموع نہ ہوگا، ثالثًا جس حالت میں کم کے
ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدارِ زیادت کو نہ پہنچے
حکمِ کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امامِ اعظم
ہمام اقدم صاحبِ مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی
عنہ نے تصریح فرمائی کہ اُس میں کچھ کراہت نہیں،
فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے
عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟
فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت
مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اُس میں
امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس
صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا
ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا
امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں
کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے
کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ
اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں
زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں
تو جائز ہے مگر میں اُسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس
قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز
جگہ بھی یہ کاروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے
فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ اُسے یُوں

---

[1] فتح القدیر كتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱

امکن تصحیحه بان یجعل الفضل بازاء الفلوس[1] و بالجملة النقل عن الامام فاش مستفیض و معلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه و نحوه وقد فصّلنا فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بما لامزید علیه، و اما رابعا وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة لیست[عہ] الاکراهة تنزیه

صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہوجائے، بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل و فتوٰی ہمیشہ قولِ امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل درآمد مسلمانوں کا اُس کے خلاف پر ہوگیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ و رابعًا اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ یہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عہ اقول محمد وما ادرٰک ما محمد، محمد سید مسود محرر المذهب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی هو من کتب ظاهر الروایة اذا کانت هذه الدراهم صنوفا مختلفة منها ما ثلثاها فضة ومنها ما ثلثاها صفر و منها نصفها فضة فلا باس ببیع احدها بالاٰخر متفاضلا یدا بید بصرف فضة هذا الی صفر ذٰلک و بالعکس کما لو باع صفرا و فضة بصفر و فضة و لا یجوز نسیئة لانه یجمعهما الوزن وهما ثمنان فیحرم النسأ و اما اذا باع جنسا منها بذٰلک الجنس متفاضلا

اقول (میں کہتا ہوں) محمد، اور تُو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں سردار کئے گئے، مذہبِ مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے، وُہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے) فرماتے ہیں جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے رُپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دینگے اور اس کی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں اُدھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو اُدھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۱

ولا تغتر بالاطلاق فانهم ربما يطلقون

مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضة غالبة لایجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکانت الکل فضة فلا یجوز الامثل بمثل ولو الصفر غالبا او کانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه ویشترط کونه یدا بید[1] نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرة وقال وعلی هذا قالوا اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحدا باثنین یجوز یدا بید[2] اھ اقول و اباحة التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائة وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاه صفر فی الوزن ثلثه ارباع ما نصفه فضة فیکون ثلثا ذاك و نصف هذا متساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاك بعشرة الاف من هذا یدا بید ولابد من

اسی قسم کے روپے سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نِری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابل کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیانہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتہی۔ اقول (میں کہتا ہوں) اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

[1] الجامع الکبیر [2] فتاوی ذخیرة کتاب البیوع فصل ششم

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ویریدون به ما هو اعم من التنزیه والتحریم وربما یطلقون ولا یریدون به الا کراهة تنزیه کما لا یخفی من عاشر نفائس عرائس کلماتهم وقد نصوا علیه فی غیر موضع قال فی رد المحتار قبیل باب الشهید ما ذکره غیره (ای غیر الامام الطحطاوی) من کراهة الوطء والقعود ای علی القبور الخ یراد به کراهة التنزیه فی غیر عه قضاء الحاجة وغایة

مطلق چھوڑتے ہیں اور اُس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اُس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دُلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید سے کچھ پہلے ہے امام طحطاوی کے سوا اور علماء نے جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے عہ قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافه فکانت عشرة الاف من الفضة بواحد من الصفر وای ارباء فی المالیة ترید اکثر من هذا وهذا محرر المذهب محمد ناصا علی انه لا باس فوجب ان لا تکون الکراهة ان کانت الا کراهة تنزیه ولا کلام لاحد بعد نص صاحب المذهب فعلیك به وبالله التوفیق ۱۲ منه۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ صاف فرما رہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہ ہوا اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ

عہ هذا اما مال الیه هنا فالحق کراهة التحریم کما حققته فی رسالتی "الامر باحترام المقابر" وقد اعترف به

عہ یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

مافیہ اطلاق الکراھۃ علی مایشمل المعنیین وھذا کثیر فی کلامھم ومنہ قولھم مکروھات الصلٰوۃ اھ[1] بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکرہ للمرأۃ امساک صغیر لبول نحو القبلۃ الخ ھذہ تعم التحریمیۃ والتنزیھیۃ[2] اھ وقال الشامی فی مکروھات الوضوء لیست الکراھۃ مصروفۃ الی التحریم مطلقا[3] اھ، وقال قبلہ بقلیل تحت قولہ ومکروھہ ھو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وعلی المکروہ تنزیھا ثم نقل عن البحر ان المکروہ فی ھذا الباب نوعان ماکرہ

اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم وتنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہا کا مکروہاتِ نماز فرمانا انتہی بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم وتنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی اور شامی نے مکروہاتِ وضو میں فرمایا کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی، اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی، اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر، پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ھذا المحقق اعنی الشامی فی کتابہ ھذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انھم نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4] اھ منہ ۱۲ منہ۔

الامر باحترام المقابر ۱۲ میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل فی الاستنجاء " " " ۱/۲۲۹

تحريما وهو المحمل عند اطلاقهم الكراهة
والمكروه تنزيها وكثيرا ما يطلقونه
كما في شرح المنية فحينئذ اذا
ذكروا مكروها فلابد من النظر
في دليله فان كان نهيا ظنيا يحكم
بكراهة التحريم الا لصارف فان
لم يكن نهيا بل مفيدا للترك الغير
الجازم فهي تنزيهية[1] اھ ملخصا
قلت ومن الاخير قول المتون كالتنوير
وغيره يكره امامة عبد[2]، في الدر
تنزيها[3]، قال ابن عابدين لقوله
في الاصل امامة غيرهم احب
الى بحر عن المجتبى والمعراج[4]
اذا علمت هذا وجب الفحص
عن الدليل انه الى اى الكراهتين
يميل كما افاده البحر في
البحر فرأيناهم يستدلون
على الكراهة المذكورة
بوجهين لا يفيد شئ منهما
كراهة التحريم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی
ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق
چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب
بات یہ ہے تو جس وقت فقہا کسی شئی کو مکروہ کہیں
تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وُہ دلیل کوئی ظنی
نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور
دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ
دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت
تنزیہی ہے انتہی ملخصاً، میں کہتا ہُوں شکل اخیر سے
ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت
مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہاً، شامی نے
کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے
اصل میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ
پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے
انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل
تلاش کریں کہ وُہ دونوں کراہتوں میں کس طرف
جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں
افادہ فرمایا اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت
پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور اُن میں کوئی
بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی اُن کی نہایت

---

[1] ردالمحتار — کتاب الطہارۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار — کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳
[3] " " " " " " ۱/۸۳
[4] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۶

قصارٰیھما التنزیہ قال فی العنایۃ الکراھۃ اما لانہ احتیال لسقوط الربا فیصیر کبیع العینۃ فی اخذ الزیادۃ بالحیلۃ واما لانہ یفضی الی ان یالف الناس فیستعملوا ذٰلک فیما لایجوز[1] اھ ونقل فی الفتح عن الایضاح الوجہ الثانی ثم قال وھکذا ذکر فی المحیط ایضا ثم قال وقیل انما کرھہ لانھما باشرا الحیلۃ الی اٰخر[2] مامر فی الوجہ الاول، وصاحب العنایۃ بعد ذکر الوجھین عاد فحصر فی الوجہ الاوّل حیث قال الکراھۃ انما ھی للاحتیال لسقوط ربا الفضل[3] اھ وعلیہ اقتصر فی الکفایۃ قال انما کرہ لانہ احتیال لسقوط الربا لیأخذ الزیادۃ بالحیلۃ فیکرہ کبیع العینۃ فانہ مکروہ لھذا[4] اھ وانت تعلم ان فی الوجہ الثانی ترک ما لا بأس بہ حذرا مما بہ بأس فھو مقام الورع وترک الورع لایوجب کراھۃ تحریم وقد قال

صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفعِ ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہوجائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا، اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اس کے خوگر ہوجائیں گے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے انتہی، اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انھوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحبِ عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اس سے زیادتی ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی، اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱-۲۷۲

[2] فتح القدیر 〃 〃 〃 〃 ۶/ ۲۷۱

[3] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر 〃 〃 〃 〃 ۶/ ۲۷۲

[4] الکفایۃ مع فتح القدیر 〃 〃 〃 〃 ۶/ ۲۷۱

يفضي الى ان يالفوه فيستعملوه فيما لايجوز
فافادان هذا استعماله فيما يجوز و
انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز
و اما الوجه الاول فابين واظهر
فان الاحتيال لسقوط الربا فرار
عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع
الوقوع فيه وقد علم علماؤنا رحمهم
الله تعالى عدة حيل لتحصيل
الفضل من دون حصول الربا وقد عقد
لها الامام فقيه النفس قاضی خان
فی فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما
يكون فرارا عن الربا وقال فيه
رجل له على رجل عشرة دراهم
فاراد ان يجعلها ثلثة عشر
الى اجل قالوا يشتري من المديون
شيئا بتلك العشرة و يقبض المبيع
ثم يبيع من المديون بثلثة عشر
الى سنة فيقع التحرز عن الحرام
ومثل هذا مروی عن رسول الله
صلى الله تعالى عليه وسلم انه امر
بذلك[1] اھ ومثله فی البحر عن الخلاصة
عن النوازل للامام الفقيه ابی الليث
رحمه الله تعالى ثم قال فی الخانية

اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اس کے
عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اُسے برتنے لگیں تو
صاف بتادیا کہ یہ کاروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت
فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ
جائیں، رہی پہلی وجہ وُہ اور بھی زیادہ واضح و روشن
ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا
ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور
بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے
متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو،
اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں
اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل
ہے اُن باتوں کے بیان میں جو سُود سے گریز ہیں، اور
اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے
پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس
کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ
وُہ مدیون سے اُن دس کے عوض کوئی چیز خرید لے
اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ
سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو
حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہُوا کہ حضور نے ایسا کرنے
کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحرالرائق میں بحوالہ
خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی
علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں (دوسرا حیلہ) یہ فرمایا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

رجل طلب من رجل دراهم ليقرضه
بده دوازده فوضع المستقرض متاعا
بين يدي المقرض فيقول للمقرض
بعت منك هذا المتاع بمائة درهم
فيشتري المقرض ويدفع اليه
الدراهم ويأخذ المتاع ثم يقول المستقرض
بعني هذا المتاع بمائة وعشرين
فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة
درهم ويعود اليه متاعه ويجب
للمقرض عليه مائة وعشرون
درهما والاوثق والاحوط ان
يقول المستقرض للمقرض بعد
ما قرر المعاملة كل مقالة
وشرط كان بيننا فقد تركته ثم
يعقدان بيع المتاع[1] اھ ثم قال فان
كان المتاع للمقرض وليس
للمستقرض شئ ويريد ان
يقرضه عشرة بثلثة عشر
الى اجل فان المقرض
يبيع من المستقرض سلعة
بثلثة عشر ويسلم السلعة الى
المستقرض ثم ان المستقرض
يبيع السلعة من اجنبي بعشرة

ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے
اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں
چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے
کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع
تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے
اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ
کرلے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے
ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے
تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور
اُس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور
قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں
اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض
لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی
قرارداد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط
ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑ دی
پھر متاع کی خرید و فروخت کریں انتہی۔ تیسرا حیلہ
یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض
لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا
چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد
پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے
والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو
بیچے اور متاع اُس کے قبضہ میں دے دے پھر
قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبی
یبیع السلعة من المقرض بعشرة
ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الی
المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن
الذی کان علیه للمستقرض وفتصل
السلعة الی المقرض بعشرة و
للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی
اجل[1] اھ ثم قال وحیلة اخری ان
یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر
الی اجل معلوم ویدفع السلعة
الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض
من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل
البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعده
ثم یبیعها المستقرض من
المقرض بعشرة ویاخذ العشرة
فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه
للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة
الی المقرض والمقرض وان
صار مشتریا ما باع باقل مما باع قبل
الثمن الا ان ذٰلک جائز لتخلل البیع الثانی
وهو البیع الذی جری بین المستقرض و
الاجنبی[2] اھ ثم قال وحیلة اخری ان

روپے کو بیچے اور وہ متاع اُس اجنبی کو دے دے
وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ
ڈالے اور وہ اجنبی اُس سے دس روپے لے کر
قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے
والے کا دَین تھا وہ اُتر جائے گا اور وہ متاع
قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی
اور قرض لینے والے پر اُس کے تیرہ روپے ایک
وعدہ پر لازم ہوجائیں گے انتہی ۔ چوتھا حیلہ یہ فرمایا
کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع
ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے
قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے
کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اُس
اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے
قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے
والے کے ہاتھ اُسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے
کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اُس
پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس
پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں
اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر
کو بیچی تھی اُس سے کم کو خریدلی مگر یہاں یہ جائز ہے اس
واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے
اور اجنبی میں ہوئی انتہی ۔ پھر ایک حیلہ یہ فرمایا کہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

[2] " " " " " ۲/۴۰۷

يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن
مؤجل ويدفع السلعة الى المستقرض
ثم ان المستقرض يبيعها من غيره
باقل مما اشترى ثم ذلك الغير يبيعها
من المقرض بما اشترى لتصل السلعة
اليه بعينها ويأخذ الثمن ويدفعه
الى المستقرض فيصل المستقرض
الى القرض ويحصل الربح للمقرض اھ
اقول هذه هي الحيلة الثالثة المارة
قال وهذه الحيلة هي العينة التي
ذكرها محمد رحمه الله تعالٰى و
مشايخ بلخ بيع العينة في زماننا
خير من البيوع التي تجري في
اسواقنا وعن ابي يوسف رحمه الله تعالٰى
انه قال العينة جائزة ماجورة
وقال اجره لمكان الفرار من
الحرام[1] اھ ثم قال رجل له
عشرة دراهم صحاح فاراد
ان يبيعها باثنی عشر درهما
مكسرة لا يجوز لانه ربا فان
اراد الحيلة يستقرض من
المشتري اثنی عشر درهما
مكسرة ثم يقضيه عشرة جيادا ثم ان

قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع
ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے
پھر قرض لینے والا اُس متاع کو کسی اور کے ہاتھ
اُتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص
اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے
کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اُسے پہنچ جائے
اور اُس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے
تو قرض لینے والے کو قرض مل جائیگا اور دینے والے
کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی ، **اقول** (میں کہتا
ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا ، امام قاضیخان
نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام
محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے
فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں
میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے ، اور امام ابو یوسف
رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انھوں نے
فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور
فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود
سے بھاگنا ہے انتہی ۔ پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ
ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا
ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے
تو جائز نہیں کہ سُود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو
یہ چاہیے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے
قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

المقرض یبرئہ من درھمین فیجوز ذلك[1] اھ ثم قال ولوکان لہ علی رجل عشرۃ دراھم مسکرۃ الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعۃ صحاح فقال ھذہ التسعۃ بتلك العشرۃ لایجوز لانہ ربا فان اراد الحیلۃ یأخذ التسعۃ بالتسعۃ ویبرئہ عن الدرھم الباقی فان خاف المدیون ان لایبرئہ عن الدرھم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعۃ دراھم صحاحا وفلسا اوشیئا یسیرا عوضا من الدرھم الباقی جاز ذلك ویقع الامن[2] اھ وفیھا فوائد لاتخفی علیك وسنمر علیھا فیما یأتی ان شاء اللہ تعالٰی وکفانا تشبیھہ فی الوجہ الاول ببیع العینۃ وقولھم فانہ مکروہ لھذا وذلك لانہ لایکرہ الا تنزیھا فکذا ھذا ولا یھولنك قول محمد انہ یجدہ مثل الجبل[3] فانہ قال مثلہ بل اشد منہ فی العینۃ وما ثبت لھا الاکراھۃ

اُسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ جائز ہے۔ چھٹا حیلہ یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ اُن دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یُوں جائز نہیں اس لئے کہ سُود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کردے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی۔ اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ ہم اُوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اوّل میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو ایسے ہی یہ بھی، اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انھوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۷
[2] " " " " ۲/۴۰۷
[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱

التنزیه قال فی ردالمحتار عن
الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة
ماجور من عمل بھا کذا فی
مختار الفتاوی ھندیة وقال محمد
ھذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم
اخترعه اکلة الربا وقال علیه الصلوٰة
والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم
اذناب البقر ذللتم وظھر علیکم
عدوکم، قال فی الفتح ولاکراھة
فیه الاخلاف الاولٰی لما فیه
من الاعراض من مبرة القرض اھ[1]
واقرہ علیه فی البحر والنھر
والدر والشرنبلالیه وغیرھا
وقال ایضا فی فتح القدیر قال
ابو یوسف لایکرہ ھذا البیع
لانه فعله کثیر من الصحابة
رضی اللہ تعالٰی عنھم وحمدوا علی
ذٰلک ولم یعدوہ من الربا[2] اھ
اقول قول ابی یوسف فعله کثیر
من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم
مرسل اصولی فانه عندنا
مالم یتصل سندہ مطلقا

ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی
اُس میں عالمگیری اُس میں مختار الفتاوٰی اس میں
امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز
ہے اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد
رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے
قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے
ایجاد کیا، اور نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا
جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور بیلوں کی
دُم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہوجاؤ گے اور تمہارا دشمن
تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ
میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے، اس
لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے
رُوگردانی ہے انتہی۔ اور اسے بحرالرائق اور
نہر الفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے
برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابو یوسف
نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اس لئے کہ بہت سے
صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اُسے کیا اور اُس کی
تعریف کی اور اسے سُود نہ ٹھہرایا انتہی **اقول**
(میں کہتا ہوں) امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے
بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا،
اصولِ فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ
ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

---

[1] ردالمحتار — کتاب الصرف — داراحیاء التراث العربی بیروت ٤/٢٤٣
[2] فتح القدیر — کتاب الکفالة — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/٣٢٤

والفرق بین انواعه وتسمیتها مرسلا و منقطعا ومقطوعا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثین لافادة مایقع فیه من الصور اما الحکم فمتحد عندنا وھو القبول اذا کان من ثقة کما حققناہ فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین [۱۳] ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیرہ وای ثقة اوثق تریدمن ابی یوسف فاذا صح عن کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم فعله و مدحه لایعدل عنه لان مذھب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنه تقلیدھم رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم باقتدائھم اما الحدیث اذا تبایعتم بالعینة [۱] رواہ احمد وابوداؤد والبزار وابو یعلی والبیھقی عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال ابن حجر سندہ ضعیف وله عند احمد اسناد اخر امثل من ھذا [۲] اھ

کی سند متصل نہ ہو اور اُس کے اقسام میں فرق کرنا اور اُن کے جدا جدا نام مرسل ومنقطع ومقطوع ومعضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابو یوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون سا ثقہ درکار ہے، تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کروگے اسے امام احمد و ابوداؤد و بزار و ابو یعلٰی و بیہقی نے نافع سے انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

---

[۱] سنن ابوداؤد باب فی النہی عن العینہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴
مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲، ۸۴
[۲] میزان الاعتدال

وفی سندہ ابو عبد الرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری، قال ابن ابی حاتم لیس بالمشهور وقال ابو حاتم لایشتغل به وقال الذهبی جائز الحدیث[1] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[2] وقال فی التقریب فیه ضعف[3] اھ - و بالجملة لاینزل عن درجة الحسن وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنه وجاء من طرق کثیرة عقد لها البیهقی بابا فی سننه وبین عللها اقول وظاهر کلام الفتح ان محمدا احتج بهذا الحدیث فاذن هو صحیح ولاشك لان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث مایدل علی منعه الا تری الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم معه واخذتم اذناب البقر[4] ای حرثتم

اور ابوداؤد کی سند میں ابو عبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا اُن سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں پھر کنیتوں میں انھیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو اُن کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں، اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں اقول کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اُس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور اُن کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۰ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴ و ۴/ ۵۴۷

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱۰۳۷۸ ؍؍ ۴/ ۵۴۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۶۹

[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

وزرعتم کما فسرہ بہ فی الفتح قال لانھم حینئذ یترکون الجھاد وتألف النفس الجبن[1] اھ بل ھو فی نفس روایۃ بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد[2] الحدیث و معلوم ان الزرع غیر منھی عنہ بل ھو افضل وجوہ الکسب بعد الجھاد عند الجمھور وقیل التجارۃ ثم الزراعۃ ثم الصناعۃ کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایۃ بالحدیث علی ذمہ قال العلامۃ سعدی آفندی اقول لوصح ذلک تکون الزراعۃ مذمومۃ ایضا اھ[3] ولم یعلل الکراھۃ فی الھدایۃ والتبیین والدر وغیرھا الابالاعراض عن مبرۃ الاقراض زاد فی الھدایۃ مطاوعۃ لمذموم البخل[4]، وانت تعلمان الاعراض عن المبرۃ لا توجب کراھۃ تحریم

یعنی کھیتی کرو زراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دیں گے اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ والہذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی اھ اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے رُوگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے، اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴
[2] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۳۴
[3] حاشیہ آفندی علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴
[4] الہدایہ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۳-۱۲۳

ولذا قال فی الفتح لاباس فی هذا فان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب[1] اھ وقال فی العنایة الاعراض عن الاقراض لیس بمکروہ والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذلک والا لکانت المرابحة مکروھة[2] اھ، اقول بل لیست التجارة الا ان تبتغوا فضلا من ربکم والمماکسة فی المبایعة مسنونة، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المغبون لامحمود ولاماجور[3] رواہ اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام فغایة ما فیه کراھة التنزیه والا فقد صح ان الصحابة فعلوہ وحمدوہ و فی حاشیة الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما اللہ تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة مأجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام و

موجب نہیں، لہذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصّہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے انتہی، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے رُوگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی اقول بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید وفروخت میں قیمت کم کرانا سنّت ہے، اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ناموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوھہم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اُسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴
[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر ،، ،، ،، ،، ۶/۳۲۳
[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۷۳۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۳/۸۳

الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ و حمدوا ذلک[1] اھ وظاہر سیاقہ ان جملۃ "والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب" من کلام الامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم، ہذا احد الدلائل علیہ والثانی تصریحہم قاطبۃ ان القدر والجنس اذا عدم احدہما حل الفضل ومعلوم قطعًا ان الدینار والدرہم او الدینار و الفلس لایتجانسان فیجب الحل فمن این تاتی کراہۃ التحریم، وتحقیقہ ان للتفاضل اربع صور الاولی ان یکون الاکثر مالیۃ ھو الاکثر قدرًا والثانی ان یکون اقل ولکن مالیۃ بعد زائدۃ بل اضعاف مضاعفۃ کالجنیۃ مع الربیۃ والثالث ان یکون اقل الی حد تنقص مالیتہ ایضا من البدل والرابع ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وہم قاطبۃ قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل و لم یقیدوہ بشیئ من الصور اصلا فیعمہا جمیعا ولو کانت ثم کراہۃ تحریم لم تحل الاصورۃ واحدۃ من الاربع وھی الرابعۃ ثم ھنا وجہ اٰخران یکون جنسان متحدی المالیۃ عند اتحاد القدر وہم قد حکموا بحل التفاضل

سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اُسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی انتہی' اور ان کی روشِ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم، یہ صورت مذکورہ کے مکروہِ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے، دلیل دوم تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقینًا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ کئی گنا بڑھ کر جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ تیسری یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے، چوتھے یہ کہ مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وهو یستلزم التفاضل فی المالیة فوجب
حله والثالث قوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه
وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف
شئتم[1]، فمن ذا الذی یعده معصیة
ومکروها تحریما مع اذن رسول اللّٰه صلی
اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فیه والرابع ماقدمنا
انفا عن الخانیة انه یدفع فلسا
عوضا عن الدرهم فیجوز ذٰلک و
یقع الامن ای امن بعد حصول
المعصیة والخامس لیس التفاضل
بین درهم ودینار او فلس ودینار مثلا
الا بالمالیة فان کان ذلک موجبا
لکراهة التحریم لانه حصل لاحد العاقدین
اکثر واربح مما حصل للاٰخر فاربی هذا
علیه یجب ان یکون مساواة الجید والردی
وزنا مکروها تحریما اذا اربی الجید علی
الردی بما لا یتغابن فیه الناس کأن
تکون مالیته ضعف مالیته او
اضعافها لان موجبها الممنوع کون
حاصل ههنا ایضا قطعا والشیئ
لایتخلف عن موجبه مع ان المساواة
هو المامور به شرعا وکذلک
ما زاد بالصناعة حتی صارت

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت
کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب
ہوا، دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد
کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے
جو اُسے گناہ اور مکروہِ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی اجازت فرما چکے۔ دلیل چہارم
وہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کر آئے
کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ
جائز ہوجائے گا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ
ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم مثلاً
اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں
مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم
ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک
نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو
اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے
اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ
کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں
لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس
کی مالیت اُس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو
اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی
یقیناً حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے
نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا
اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

[1] نصب الرایة لاحادیث الہدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبها الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۴

قیمته اضعاف قیمة ما یساویه وزنا
من التبر والدراهم یکون التساوی
فیه موجب لما اوجبتم به کراهة
التحریم مع انه هو الواجب شرعا
فاذن یکون الشرع قد اوجب
ما هو معصیة فان المکروه تحریما
منھی عنه وارتکابه اثم و معصیة و
ان کانت صغیرة کما نص علیه فی البحر
والدر وغیرهما و بالاعتیاد یصیر کبیرة ولاشك
ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة و
یوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروه تنزیها
فانه من المباح ولیس من المعصیة قطعا
وربما یتعمده الانبیاء علیهم الصلوة والسلام
بیانا للجواز وقد زلت قدم ذاك اللکنوی
فی رسالته فی الدخان فجعل المکروه تنزیها
من المعاصی والاصرار علیه من الکبائر
وهذه مزلة فاحشة بینت عوارها فی
رسالة مستقلة سمیتها "جمل مجلیة ان
المکروه تنزیها لیس بمعصیة" ۱۳۰۴ھ والاعتذار
بان الشرع اهدر اعتبار المالیة عند
اتحاد الجنس لایجدی نفعا فان ذلك
اول الکلام ان لوکان الازدیاد فی المالیة
موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر
اعتبارها مع ما فیه من ابطال مقصد
نفسه اعنی الشرع وهو صیانة اموال

صناعی کے سبب بڑھ جائے یہاں تک کہ اسکی قیمت
اس کے ہم وزن پتّر یا روپوں سے کئی گنا ہوجائے
تو اُس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب
ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب
ہے تو اُس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب
کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور
اُس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحرالرائق و
درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے
کبیرہ ہوجائیگا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و
بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب
کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے
ہے اور معصیت میں سے یقینًا نہیں، کبھی انبیاء
علیہم الصلوۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا
جائز ہونا ظاہر ہوجائے اور انھیں لکھنوی کا حقہ
کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور
اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے
کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں
بیان کیا اس کا نام "جمل مجلیۃ ان المکروہ
تنزیہا لیس بمعصیۃ" ۱۳۰۴ھ رکھا اور یہ عذر کرنا کہ
ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت
کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دے گا
اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر
میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں
اس کا اعتبار ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود
مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالية وفيه ایصال اكلة الربا الى قصدهم الفاسد فان غرضهم انما يتعلق بالمالية فاذا اربوا فيها فقد فازوا بمرادهم ولا نظر لهم الى زيادة الوزن وقلته فتبين ان الارباء فى المالية لانظر اليه للشرع ولا يمكن ان يوجب كراهة تحريم اصلا وهو المقصود، والسادس طفحت المتون قاطبة بجواز بیع فلس بفلسين وقال فى البحر ليس مرادهم خصوص بيع الفلس بالفلسين بل بيان حل التفاضل حتى لوباع فلسا بمائة على التعيين جاز عندهما اى عند الشيخين رضى الله تعالٰى عنهما واى نص تريد انص من هذا على حل التفاضل بالمالية والحمد لله، نعم الحل قد يجامع كراهة التنزيه كما نصوا عليه، السابع العينة المذكورة فانما مبناها على التفاضل فى المالية ولا يتقيد بنحو عشرة باثنى عشر او ثلثة عشر كما فى الخانية او خمسة عشر كما فى الفتح بل صورت بصورة الضعف ایضا قال فى الفتح من

مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اس میں سودخوروں کو اُن کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ اُن کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب اُنھوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف اُن کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔ دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحرالرائق میں فرمایا کہ اُن کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک اگر ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ، ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کا اسکی بناء ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا فتح القدیر میں بلکہ دونا دون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے، فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

---

[1] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۲

صور العينة ان يبيع متاعه بالفين من المستقرض الى اجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بالف حالة ويقبضه ثم يبيعه من البائع الاول بالف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الاول بالثمن الذى عليه وهو الف حالة فيدفعها الى المستقرض ويأخذ منه الفين عند الحلول[1] اھ واذ جاز ضعف جازت الاضعاف **اقول** ولا يلزم المتوسط بل له ان يبيعه من المستقرض بالفين فيبيعه المستقرض فى السوق بالف كيلا تعود العين الى المقرض فيكون مكروها تحريما فى بحث المحقق وان كان فيه للكلام مجال فان شراء ما باع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم يذكروا فيه تأثيما وقد تقدم عن فقيه النفس فى حيل الفرار عن الحرام وانى تتم الحيلة مع بقاء المعصية لاجرم قال العلامة عبد الحليم فى حواشى الدرر الظاهر كراهة تنزيه سواء

یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کر لے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وُہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اُتارے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دونا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انھوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

كان فى صورة عود كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا[1] تدبر، والثامن شرطوا الجواز شراء الوصى مال اليتيم لنفسه اوبيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم وجعلوها فى العقار بالضعف وفى غيرها بمثل ونصف[2] كما فى الخانية والهندية وشرطوا الجواز بيعه مال اليتيم من اجنبى ان لم تكن للصغير حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لاوفاء له الابه ان يبيعه بضعف القيمة قال فى الهندية عن محيط السرخسى وعليه الفتوى[3] فهذا تفاضل فى المالية مأمور به من جهة الشرع والتاسع ما تقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لوباع كاغذة بالف يجوز ولا يكره[4] والعاشر فى باب الربا من ردالمحتار عن الذخيرة اذادفع الحنطة الى خباز جملة واخذ الخبز مفرقا ينبغى ان يبيع صاحب الحنطة خاتما اوسكينا من الخباز بالف من من

جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دوچند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں۔ دلیل دہم ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کر کے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً ہزار من دو

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب والوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۹
[3] " " " " " " " "
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

الخبز مثلاً الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر هذا لو سردنا ها لم نستطع احصاءها وانما تنزلنا بعد السادس الی هنا لان کلامهم فی المضموم، الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان او الاعیان ومن الاموال الربویۃ او من غیرها فهذا غایۃ تحقیق المسألۃ،

اما کلام الشیخ عبد الحلیم فاقول اولاً لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسه ولا شك ان ترك مالا بأس به حذرا مما به باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذلك الا بما ذکر فکان من واجباته اذ الواجب للشیئ هو الذی لا تحصل له الا به وثانیاً ربما یطلق الواجب علی فاعلی المندوب ومنه قول الدر لا باس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم[2] اھ ونظر له الشامی فی موضع اٰخر بقولهم حقك واجب علی وفی کتاب

کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کرسکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اُتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملا دی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبد الحلیم رومی کا کلام اقول اولاً حصول احتیاط کیلئے کسی شیٔ کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اُسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اُسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا تو احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شَے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شَے حاصل نہ ہو، ثانیاً اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں، اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

---

[1] رد المحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۶

[2] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قوله "ویشهد (ای القاضی) الجنازة ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست خصال واجبة ان ترك شیئا منها فقد ترك حقا واجبا علیه لاخیه یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویحضره اذا مات وینصحه اذا استنصحه ثم قال ولابد من حمل الوجوب فیه علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهره وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازة فالمراد به امر ثابت علیه اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ[1] ولابد من الحمل علیه لما اقمنا من الادلة وان ابیت الاحمله علی ظاهره فهذا فهم من الشیخ عبد الحلیم لم یستند فیه

فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے، اور جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو اسے یرحمک اللہ کہے، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اس لئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بسلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی، اور عبارت عبدالحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کرچکے اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبدالحلیم

---

[1] فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۶۳/۶

لنقل وفهمه غير حجة في الشرع
لاسيما عند قيام البراهين على
خلافه وثالثاً انه لم يحمل على
ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه
لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعةً تحدث
في الدولة العثمانية من تبديل
الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة
فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة و
يمنع بظهورها التعامل بالعتيقة و
من رداءة العتيقة ان الدرهم
الكبير الرومي وهو المسمى بالقرش
يكون بمائة وعشرين درهما منها
والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت
الجديدة ينزل القرش الى ثمانين من
الجديدة والدينار الى مائة وعشرين
فيقع بين الناس نزاع كثير في ديونهم
الواقعة في زمن العتيقة قال فافتى
اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنية
المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة
دين مائة وعشرين درهما يعطى
المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا
وبمقابلة مائتين واربعين دينارا او قرشين الى ان
جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين
فافتى بان يعطى قيمة العتيقة في زمن
العقد من الدينار مثلاً لكل

کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انھوں نے کوئی نقلی سند
پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصاً
جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ ثالثاً اگر
اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے
نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انھوں نے اس
کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ
بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی
غالب ہوتی ہے انھیں نئے کھرے روپے سے بدلتے
ہیں اور ان نیوں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع
کردیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے
کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں
کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی
دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے
ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اسّی رہ جاتی
ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کو وہ لین دین
جو پرانے روپوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں
بڑا جھگڑا پڑجاتا ہے تو علمائے محروسہ قسطنطنیہ سے
ہمارے اگلوں سرداروں نے یہ فتوی دیا کہ تہائی
دین اتاردیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ
مدیون دائن کو نئے اسّی روپے یا ایک قرش دے
اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی
یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد
بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انھوں نے
یہ فتوی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپوں کی جو قیمت
تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلاً ہر

مائتين واربعين درهما يعطي دينارا ولم
يجوز اعطاء درهما جيدا ولا قرشا و
صرح بان في المسلك السابق حقيقة
الرباء او شبهته[1]، ثم قال يقول العبد
ان ما افتي به اولا صحيح ايضا مع ان فيه
يسرا و توسيع دائرة لاداء الدين اما
صحته فان الدراهم العتيقة لما كانت
رائجة كما يروج القرش والدينار
من غير فرق بينهن تقرر ان دين
المديون استقر في ذمته على هذا التفصيل
وصرف الدين الى ما قدر به في الاداء
من كل نوع اي نوع كان من العتيقة و
القرش والدينار كما صرح الفقهاء بهذا
في صورة استواء رواج الاحادي و
الثنائي والثلاثي فاذا منع تعاطي العتيقة
وظهر الجديدة ورخص القرش والدينار
بالتنزيل الى ما سبق ذكره نزل الدين
كذلك وفيه توسيع دائرة ويسر تام اذ
يؤدي المديون من اي نوع قدر بخلاف
ما افتي به ثانيا اذ قد لا يكون للمديون
دينار وقد لا يجد وقد يكون
الدين او الباقي غير بالغ الى
قيمة الدينار فيعسر الاداء مع

دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے
اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے
اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سُو
ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبد الحلیم نے کہا کہ
وہ جو پہلوں نے فتویٰ دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے
ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے
دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے
کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے
اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین
اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف
پھرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع
میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا
اشرفی، جیسا کہ فقہائے اس کی تصریح فرمائی ہے
جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو
جب پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا اور نئے چلنے لگے
اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر
مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور
اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے
اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا
اس میں سے ادا کریگا بخلاف دوسرے فتویٰ کے
اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی
اور نہ اسے ملتی ہے اور کبھی کل دین یا باقی اتنا
نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی
العتیقة باقیة علی رواجها ولیس
فیها کساد ولامنع سوی الترخیص بالنسبة
الی الجدیدة فمن این التکلیف للمدیون
باداء الدین بالدینار فقط فظهر ان ما افتی
به اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر
فیه نعم لوسلم وجدان الربا اما
حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة
او بالقرش بان لامساواة بینهما وزنا
او لایعلم فانه یدفع بضم نحو فلس
الی الجدیدة او القرش کما لایخفی اھ[1]
ملخصا، والمسئلة مذکورة فی الدرر
وغیرہ واختار العلائی ما افتی به
سعدی افندی وھو الالزام بالذھب
ومال ابن عابدین الی نحو ما مال الیه
عبدالحلیم وحاصله اولا منع ان اللازم
علی ذمة المدیون عین العتیقة
حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش
مع عدم مساواتھا للعتیقة وزنا ربا بل
اللازم تلك المالیة المقدرة
بای الثلثة شاء فاذا
کسد منها واحد جاز
الاداء عن احد الباقین

ہوگی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے
روپوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا
نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپوں سے ان کا بھاؤ
سستا ہوگیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا
کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دَین ادا کرے تو ظاہر
ہوا کہ وہ جو پہلا فتوٰی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں
کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے
یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکماً یوں
کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو
وہ یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے
ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ
نہیں انتہی ملخصاً، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں
مذکور ہے اور صاحبِ درمختار نے اسی کو اختیار کیا
جو سعدی آفندی کا فتوٰی ہے کہ مدیون پر سونے ہی
سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اُس
طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور
اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے
کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا
واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا
جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے
بلکہ اُتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں
میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے
ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهر ان تعبيرهم بتنزيل
ثلث الدين مسامحة نظرا الى ظاهر
التغير فى عدد الدراهم حيث يعطى
من الجديدة ثمانين مكان مائة وعشرين
والافلا تنزيل فى المالية اصلا وثانيا ان
سلم لزوم العتيقة عينا فيدفع بضم نحو
فلس الى الجديدة او القرش وقد افتى
هو به الناس وجعله يسرا تاما من دون عسرا
تاما من دون عسر واى يسر
بعد حصول كراهة التحريم فاذن
لامحيد عما ذكرنا وبالله التوفيق
وبالجملة ما كانت امثال هذه
الشبهات لتذكر وتسطر لولا ما
فى جوابها من فوائد تظهر وتزهر
اقول وبه تبين والحمد لله ان
ليس فيه اعنى فى بيع دينار
بدرهم بل فلس فضلا عن بيع نوط عشرة
باثنى عشر شبهة ربا ايضا فضلا
عن الربا خلافا لما زعم اللكنوى اذ الشبهة
فى المحرمات ملحقة باليقين كما نص
عليه فى الهداية وغيرها فلو كانت لوجبت
الحرمة فضلا عن كراهة التحريم وقد
قامت الادلة ان لاكراهة تحريم ههنا
فضلا عن الحرمة فظهر ان لاربا و
لاشبهة هذا وانما جل

چاہے ادا کردے اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان
کا یہ فرمانا کہ تہائی دَین اتار دیا جائے
مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی میں جو ظاہر تغیر ہوا اُس
پر نظر فرماکر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسّی
دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے
یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے
تو سود یُوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش
کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملاکر دے اور فاضل عبدالحلیم
نے لوگوں کو اس کا فتوٰی دیا اور اُسے پوری آسانی
بلادشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد
کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے اُن
سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے
بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں
اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے
چمکتے ہُوئے فائدے ظاہر ہوئے اقول الحمدللہ
اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو
بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ
کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف
اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں
میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ
میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت
واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور
دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی
نہیں چہ جائے حرمت، تو ظاہر ہوا کہ یہاں
نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سُنئے

1/1

ماتشبث بہ ھذا المانع ان النوط[ع]

ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ

ع بل زعم ذاک اللکنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائۃ مثلا فانما یرید بیع مائۃ ربیۃ واخذ بدلھا لابدل النوط اقول اولا لوکان الامر کما زعمت لما صح بیع النوط بالربابی اصلا لانہ اذن بیع مائۃ درھم افرنجی بمائۃ درھم افرنجی وھی لاتتفاوت فیما بینھما بشئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لایشرع العبث فی الاشباہ العقود تعتمد صحتھا الفائدۃ فما لم یفد لم یصح فلایصح بیع درھم بدرھم اذا تساویا وزنا وصفۃ کمافی الذخیرۃ اھ[1] وثانیا قم یوما عن اریکتک واذھب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع نوطا من عمرو فاسألہ ھل قلت لہ بعتک مائۃ ربیۃ فسیقول لا وانما قلت بعتک ھذا النوط فاسألہ ھل اردت ان تستبدل مائۃ ربیۃ لک بمائۃ ربیۃ لعمرو فسیقول لا وانما اردت استبدال

ع بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) **اولاً** اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلاً جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو رُپے انگریزی سو رُپے انگریزی کو بیچنا ہُوا اور انگریزی رُپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتہی، **ثانیاً** مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اُٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پُوچھئے کیا تُو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پُوچھئے کیا تُو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپوں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲۵

مغرق فی الربابی کانہ ھی من دون فرق

روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی برباببیۃ فاسألہ ھل اخذت ثمن ربابیك فیقول لابل ثمن نوطی فاسألہ ھل تنقد لہ مائۃ ربیۃ من کیسك فیقول لابل اعطیہ نوطی فعند ذلك یتمیز لك النھار من اللیل، وثالثًا لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لاتکون عندہ الربابی بل ولاربیۃ واحدۃ وبیع المعدوم باطل وقد نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ورابعًا من احتاج الی النوط لیرسلہ فی البوسطۃ فان ارسالہ فیھا ایسر واقل مصروفا فباعہ زید نوطہ ثم اراد ان یعطیہ مائۃ ربیۃ لایقبلہ المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربابی عندی فماکان یحوجنی الی شرائھا منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تُونے اپنے روپوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سَو روپے اسے دے گا وُہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا** کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سَو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کررہا ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا** جسے ڈاک میں بھیجنے کیلئے نوٹ درکار ہو کہ ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سَو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم

(باقی برصفحہ آئندہ)

ولذا لایفرقون بینهما فی الاخذ والاعطاء

فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبة ذلك القصد الیهم فریة علیهم، **وخامسًا** بائع النوط اذا قبض دراهم الثمن واراد ردها یعد هذا عندهم اقالة البیع لا تسلیما للمبدل وهذا کله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن الله من مبیع لم یعقد علیه ولا قصد الیه ولا نقد منه بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لا یکون عند من باع فهل سمعت بمثله مبیعا فی الدنیا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولکن قلة الفهم والتدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو والعافیة، وبه علم بطلان ما قصد به التفرقة بین الفلوس والنوط بان من اشتری شیأ بربیة او استقرض ربیة واراد ان یعطی بدلها فلوس ربیة فالدائن والبائع بالخیار فی قبولها و

ہو جائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ **خامسًا** نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن و ظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ اُن پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا نہ اُن کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وُہ دیئے بلکہ وُہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی و عافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقتِ ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا

(باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانّھا عشرۃ ربا بی بیعت باثنی عشرۃ ربیۃ وھو ربا قطعا فھذا ان لم یکن ربا فشبھہ یلتحق بہ و یحرم۔

اقول وباللہ التوفیق ھذا اسوء واخنع ولاغرو اذا القوس فی ید غیر باریھا قدعلم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیۃ انما تقدر بالحقیقۃ بل النقود کلھا لھا تقدیر بالدراھم دنانیر کانت اوغیرھا ولابدلھا من نسبۃ الی الربابی فجنیہ بخمسۃ عشر وقطعۃ صغیرۃ بثمن ربیۃ واُخری بالربع واخری بالنصف و ست عشرآنۃ بربیۃ والنوط الفلان بعشرۃ والفلان بمائۃ ھٰکذا واذا استوت رواجا ومالیۃ فاھل العرف لایفرقون

اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہُوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سُود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے تحقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انھیں کچھ نہ کچھ روپوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سَو کا وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولایجبرہ علیہ القاضی بخلاف النوط و من این لہ ادعاء ھذا ومن قال بہ و سیأتیك وتحقیق الامر بعد اسطر وباللہ التوفیق ۱۲ منہ۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے اور یہ ادعا انھوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

بينها في الاخذ والاعطاء في معاملاتهم
فمن شرى ثوبا بجنيه افرنجي وادى
خمس عشر ربية اوبالعكس لا يعد
هذا تبديلا ولا تحويلا ولا ينكره البائع
ولاغيره وكذا القطعة الصغيرة وثمانية
فلوسا افرنجية لايفرقون بينهما في الاخذ
والاعطاء وكذا ربع الربية وستة
عشر فلسا ومن اشترى شيئا بنصف
ربية، فاما ان يؤدي النصف بعينه
او ربعي ربية او اربعة اثمانه او ربعا
وثمنين او ربعا وثمنا وثمانية فلوس او ثلثة
اثمان وثمانية فلوس او ربعا وستة عشر فلسا او
ثمنا واربع وعشرين فلسا او الكل بالفلوس اثنين
وثلثين فلسا الصور التسع جميعا سواء عندهم
ولايفرقون بينها اصلا لاستوائها جميعا
في المالية والرواج وليس هذا في العرف
فقط بل الشرع ايضا خير المشتري ان يؤدي
ايها شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضها و
اراد الزام المشتري باحد الوجوه كان
تعنتا منه ولم يقبل، قال ابن عابدين

اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی
کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور ٹے پندرہ
روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا
نہ قرارداد کا پھرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا
نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان
کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی
اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ
یا تو خود اٹھنی دے یا دو۲ چونیاں یا چار۴ دوانیاں
یا ایک چوانی اور دو۲ دوانیاں یا ایک چوانی اور
ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ
پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے
بتیس ۳۲ پیسے، یہ نو کی نو صورتیں سب ان کے نزدیک
برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے
کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ
عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو
اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے
ادا کرے اور اگر بیچنے والا اُن میں سے کسی صورت
کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر
لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجا ہٹ
ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

ع والان اذ قد راج تفريق جديد يسمى
انه صح اداء نصف ربية بستة وثلثين
وجها والكل سواء كما لا يخفى ۱۲ منه۔

ع اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے
اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا
ہوسکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ
نہیں ۱۲ منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقہ (ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیۃ فسد العقد مع الاستواء فی رواجہا[1] مانصہ اما اذا اختلف رواجا مع اختلاف مالیتہا او بدونہ فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیۃ ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایہما شاء، ومثل فی الہدایۃ مسئلۃ الاستواء فی المالیۃ والرواج بالثنائی والثلاثی واعترضہ الشراح بان مالیۃ الثلثۃ اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ما قطعتان منہ بدرہم وبالثلاثی ماثلثۃ منہ بدرہم، قلت وحاصلہ انہ اذا اشتری بدرہم فلہ دفع درہم کامل او درہم مکسر قطعتین او ثلثۃ حیث تساوی الکل فی المالیۃ والرواج، ومثلہ فی زماننا الذہب یکون کاملا ونصفین واربعۃ ارباع وکلہا سواء فی المالیۃ والرواج ومنہ یعلم حکم ما تعورف فی زماننا

فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اُس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکّے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہوجائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سا نہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یُونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے اور بحرالرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پُورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پُوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں، اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷

من الشراء بالقروش فان القرش في
الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم
باربعين قطعة من القطع المصرية المسماة
في مصر نصفا ثم ان انواع العملة المضروبة
تقوم بالقروش فمنها مايساوي عشرة قروش
ومنها اقل ومنها اكثر فاذا اشترى بمائة قرش
فالعادة انه يدفع ماار اد اما من القروش
اومما يساويها من بقية انواع العملة من
ريال اوذهب ولايفهم احد ان الشراء وقع
بنفس القطعة المسماة قرشا بل هي او
مايساويها من انواع العملة متساوية
في الرواج المختلفة في المالية
ولايرد ان صورة الاختلاف في
المالية مع التساوي في الرواج هي صورة
الفساد لانه هنا لم يحصل اختلاف
مالية الثمن حيث قدر بالقروش و
انما يحصل الاختلاف اذا لم يقدر بها
كما لو اشترى بمائة ذهب وكان الذهب
انواعا كلها رائجة مع اختلاف ماليتها
فقد صار التقدير بالقروش في
حكم ما اذا استوت في المالية والرواج
وقد مران المشتري يخير في دفع
ايهما شاء قال في البحر فلو
طلب البائع احدهما للمشتري
دفع غيره لان امتناع

شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکّہ
ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو
مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی
قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو اُن میں کوئی
دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی
چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو
چاہے دے خواہ قرش ہی دے یا اور سکّے جو
مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی اور یہ
کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے
پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش
یا اور سکّوں سے جو مالیت میں مختلف ہیں اور
چلن میں یکساں ہیں اُتنا کہ اس کی مالیت کے برابر
ہوجائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف
ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی
صورت ہے اس لئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں
اختلاف نہ پڑا جب کہ اس کا اندازہ قرشوں سے
کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ
نہ کرتے جیسے کہ سَو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں
اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی
اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ
کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر
ہیں، اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ
ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا
اگر بائع ان میں سے ایک سکّہ طلب کرے تو
مشتری کو اختیار ہے کہ دُوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول ما دفعہ المشتری ولا فضل
تعنت[1] اھ (ملخصًا) وھذا کلہ واضح جلی
وای تسویۃ وعدم تفرقۃ اعظم
من ان یشتری المشتری بالقروش
ثم یخیر ان یؤدی منھا او
من الریال او من الذھب الکامل
او من التفاریق وان لم یقبل
البائع کان متعنتا ومع ھذا
لایتوھم عاقل ان القروش والریال
والجنیہ والتفاریق کلھا صارت جنسا
واحدا لایحل فیھا التفاضل او ان
بعضھا مغرق فی بعض کانہ ھو
من دون فرق فالتفاضل ان لم
یکن ربا فبشبھہ یلحق بہ ویحرم
مع نصھم قاطبۃ اجمعین ان عند
اختلاف الجنس یحل التفاضل بل
مع قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا
کیف شئتم[2]، وقد قدمنا تحقیق مسئلۃ
دینار بدرھم وان لیس ربا و
لاشبھۃ ربا بما لامزید علیہ فاذا کان
ھذا فی القروش والریال

مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا
انکار بے جا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت
نہیں انتہی۔ اور یہ سب ظاہر و روشن باتیں ہیں
اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے
کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار
دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے
سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع
نہ مانے تو بے جا ہٹ ٹھہرے، بااینہمہ کوئی
یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور
ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں
سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا
اُن میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ
بلافرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو
اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہوکر
حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح
فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی
جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے
چاہو بیچو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک
روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ
سود کا شبہہ، اور اس طرح بیان کی جس سے
بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۶
[2] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیۃ، ریاض ۴/۴

والجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان خلقية وكلها تشملها احدى علتى الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربا فى مع ان النوط ليس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين ولا يشمله شئ من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم ههنا لا يتأتى الا من احد ثلثة رفع عنهم القلم صبى و نائم ومجنون ، نسأل الله العفو و العافية هو تحقيق الجواب فى هذا الباب وارجوا ان لا عطر بعد عروس ولكن يا هذا ان ابيت الا ما اتيت من ان النوط مغرق فى الربا فى كانه هى فانا اسئلك ابهذا الاغراق وعدم الافتراق صار النوط حقيقة دراهم فضة او حكما بان اجرى الشرع فى مبادلته بالدراهم ما هو حكم مبادلة الدراهم بالدراهم كما قلت كانها عشرة بابى بيعت باثنى عشر اولا ولا على الثالث ما هذه الشقاشق الفارغة عن منشاء ومعنى وعلى الاولين يعود الربا عليك انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة وذلك لان حكم الدراهم بالدراهم لم يكن فى الشرع التساوى فى

اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کی مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع و مشتری پر لازم نہیں اور اُس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کر سکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھا لیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ ۔ ہم اللہ تعالٰے سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دُولھا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تُو کچھ نہ مانے سوا اپنی اُسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہُوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہو یا حکمًا بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تُو نے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے، یا حقیقۃً یا حکمًا کسی طرح نہیں، تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشاء و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ تو دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالیة لاجماع الامة ان الجید والردی
ھٰھنا سواء وانما کان الحکم التساوی فی
القدر فیجب علیك ان تضع النوط فی
کفة والفضة من تفریق دراھم
او غیرہ فی الکفة الاخری فلا تبیعه الا بما ساواہ
وزنا ولا یکون ذٰلك الا قطعة صغیرة او
قطعتین فان زدت علیه شیئا فقد اکلت
الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحکم
الساری الی النوط من الربابی لاجل
ھذا الاغراق وعدم الافتراق ھو التساوی
فی المالیة فھذا جھل منك عظیم یساوی
ھزلا ویتساوك ھزلا فان التسویة فی
المالیة لم یکن حکم الربابی نفسھا
فکیف یسری منھا الی شبھھا ما لیس فیھا
علا ان النوط ان اتحد مع الربابی
حقیقة او حکما لا یتحد مع الذھب
لامتناع الاتحاد بین نوعین متباینین
فاذن ان بیع نوط عشرة باثنی عشر
جنیھا لا یلزم فیه ما لزم ثمه لعدم
الاتحاد فی الجنس حقیقة ولا حکماً
فحینئذ یرجع مآل فتواك الی ان
من باع نوط عشرة باثنی عشرة ربیة فھذا
حرام لانه حصّل فضلا بلا عوض وان باعه
باثنی عشر جنیھا فھذا لا حرج علیه لانه
لم یحصل فضلا یعتد به

برابر ہوں تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا
برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو
تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور
دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی
بس اُتنے ہی کو اُسے بیچے جتنی چاندی وزن میں
نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد
نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور
سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے
اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی
طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کر لو تو یہ تیرا
بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن
سے لک لک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا
خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے اُن کے مشابہ
نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود اُن
میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ
حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد
نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہو سکتیں تو اس
تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو
بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے
سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے
نہ حکماً تو اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ
دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اس لئے
کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور
اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ
اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من ھٰذہ الفتوی ما ادقھا نظرا واحقھا رعایۃ لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانۃ اموال الناس ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، و بالجملۃ کلام ھذا المانع لایرجع الی اصل شرعی ولا برھان وما ھو الا کلمۃ ھو قائلھا ما انزل اللہ بھا من سلطٰن، والحمد للہ وعلیہ التکلان وھو المستعان۔

وامّا الثانی عشر

فاقول نعم یجوز اذا قصدا البیع حقیقۃ دون القرض وذٰلک لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کما حققنا کل ذٰلک وما التنجیم الا نوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرۃ وشرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرۃ ربیۃ او احدی عشرۃ او عشرۃ وقطعۃ مثلا حالا او مالا منجما او غیر منجم فھذا حرام وربا قطعا لانہ قرض جر نفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰا[1]، رواہ

کیا جائے تو سبحان اللہ اس فتوٰی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

جواب سوال دوازدہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدتِ معیّن پر اُدھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین
علی کرم اللہ تعالٰی وجهه بخلاف ما
اذا اقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة
ولا کانت معهودة من تعاملهما
لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض
اوفاہ وزاد من عند نفسه تکرما
زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون
هبة مشاع فیما یقسم فهذا جائز
لا بأس به بل هو من باب "هل جزاء
الاحسان الا الاحسان"[1] وقد قال
صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للوزان
فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح[2]
وکذا اذا تقاضاہ المقرض فلم
یکن عندہ النوط او لم یرد
ردہ فوقع الصلح علی اثنتی
عشرة ربیة عوضا عن
النوط الذی فی ذمته وقبضت
الدراهم فی المجلس کیلا یکون افتراقا
عن دین بدین فهذا ایضا
جائز بالاتفاق ان کان
النوط الذی استقرضه
مستهلکا وعند الطرفین مطلقا

حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ
تعالٰی وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ
قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے آگلے
عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف
ہے وُہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے
نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا
زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم
شئے میں ہبہ مشاع نہ ہوجائے) تو یہ جائز ہے اس میں
کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا
بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا
(اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے
سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ
قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا
اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے
نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے
دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی
اور اسی جلسے میں روپے ادا کر دئے (تاکہ عاقدین
یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی
جائز ہے پھر اگر وُہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس
کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور
اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/۶۰
[2] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/۲۱۷
جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۶

وان کان باقیا عندہ اذا لم یورد
العقد علیہ، نعم ان کان موجودا
واشتراہ بعینہ باثنی عشر او بعشرۃ
او بما شاء فھذا باطل لایجوز عندھما
خلافا لابی یوسف رضی اللہ تعالٰی
عنھم لانہ قد ملکہ بالاستقراض
فکیف یشتری ملک نفسہ من غیرہ
فی وجیز الکردری اذا کان لہ علی
اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من
علیہ بدراھم وتفرقا قبل قبض
الدراھم بطل وھذا
مما یحفظ اھ[1] وفی ردالمحتار
عن الذخیرۃ اشتری من
المقرض الکر الذی لہ
علیہ بمائۃ دینار جاز لانہ
دین علیہ لا بعقد صرف و
لا سلم فان کان مستھلکا
وقت الشراء فالجواز قول الکل
لانہ ملکہ بالاستھلاک وعلیہ
مثلہ فی ذمتہ بلاخلاف
وان کان قائما فکذلک
عندھما وعلی قول ابی یوسف
ینبغی ان لایجوز لانہ لایملکہ
مالم یستھلکہ فلم یجب مثلہ

نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اسے
خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔
ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ
اُسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے
تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف
رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا
تو قرض لیتے ہی اس کا مالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک
چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا، وجیز کردری میں
ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون
نے وہ دَین اس سے روپوں کو خرید لیا اور روپوں
پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع
باطل ہوگئی اور یہ اُن مسائل میں سے ہے جن کا
یاد رکھنا لازم ہے انتہی، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے
ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ
اس نے اس سے سَو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے
کہ یہ دَین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم
سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا
تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے
کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک
ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اُتنا غلہ واجب رہا اور
اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک
اب بھی جائز ہے اور امام ابو یوسف کے قول پر
چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶

فی ذمته فاذا اضاف الشراء الی
الکر الذی فی ذمته فقد اضافه
الی معدوم فلا یجوز[1] اھ وفیه عنها
استقرض من رجل کرا وقبضه ثم
اشتری ذٰلك الکر بعینه من المقرض
لایجوز علی قولهما لانه ملکه بنفس
القبض فیصیر مشتریا ملك نفسه اما
علی قول ابی یوسف فالکر باق علی
ملك المقرض فیصیر المستقرض
مشتریا ملك غیره فیصح[2] اھ
اما الاحتیال لدفع الربا فقد
اسمعناك فیه ما یکفی ویشفی
وقد تقدم قول ابی یوسف
رحمه الله تعالٰی ان العینة
جائزة ماجور من عمل بها
قال واجره لمکان الفرار
من الحرام[3] اھ وتقدم
قوله ان الصحابة فعلوا
ذٰلك وحمدوه[4] وتقدم
قول الخانیة ان مثل هذا

جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس
غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں، اب جو یہ
کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم
چیز خریدی لہذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں
ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر
قبضہ کرلیا پھر بعینہ وہی غلہ قرض دینے والے سے
خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ
وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو
اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے،
ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ
غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو
یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح
ہوئی انتہی، رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم
تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام
ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزرچکا کہ عینہ
جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا
فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے
بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابۂ
کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔
اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۷۳
[2] ” ” ” ” ” ” ” ” ۴/۱۷۳
[3] فتاوٰی قاضیخان ” باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۷
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذلك[1] اھ فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ وفی البحر عن القنیۃ لاباس بالبیوع التی یفعلھا الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اخر ھی مکروھۃ ذکر البقالی الکراھۃ من محمد وعندھما لاباس بہ قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراھم لاباس بالاتفاق[2] اھ وکذلك حکی الاجماع الامام خواھر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیمہ وصح عن الصحابۃ فعلہ وتمدیحہ واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب واللہ الھادی الصواب **اقول** ثم ھذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضہ دراھم ویبیعہ شیئا یسیرا

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انھوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا امام محمد کا خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کر دی پھر روپے دیے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگائی ہو، تو جب کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰے عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت، اور ہمارے اماموں کا اس کے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] بحر الرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبلہ لحاجۃ القرض ففی ھذا ان تقدم القرض قیل کرہ البیع لانہ قرض جرنفعا وان تقدم البیع لم یکن بہ باس اتفاقا لانہ بیع جر قرضا کما افادہ الامام شمس الائمۃ الحلوانی وبہ افتی کما فی رد المحتار اما ما نحن فیہ من مسألۃ النوط فبیع خالص لاقرض فیہ اصلا لابدأ ولا عودا فاذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادۃ فی امر الحیل فھذا ربنا تبارک وتعالٰی قائلا لعبدہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام "خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث"[1] وھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال جاء بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتمر برنی

تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہُوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف وبلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انھوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود کو حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

---

[1] القرآن الکریم ٣٨/٤٤

فقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من
این ھذا، قال بلال کان عندنا
تمر ردئ فبعت منہ صاعین بصاع
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اوہ عین الربا عین الربا لاتفعل و
لکن اذا اردت ان تشتری فبع
التمر ببیع اٰخر ثم اشتربہ[1] و
ایضا لہما عنہ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم استعمل رجلا
علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب
فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اکل تمر خیبر ھکذا قال
لا واللہ یارسول اللہ انا لناخذ الصاع من
ھذا بالصاعین والصاعین بالثلٰث
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
لاتفعل بع الجمع بالدراھم
ثم ابتع بالدراھم جنیبا[2] **اقول** اما
کراھۃ من کرہ کمحمد فانما کان
کما تقدم عن الفتح والایضاح

لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا
کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی
عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے
ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع
خریدا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اُف خاص
ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر، مگر جب ان کو خریدنا
چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس
شَی کے بدلے ان کو خریدو۔ نیز بخاری و مسلم نے ابوسعید
خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت
کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صحابی
کو خیبر پر عاملِ صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں
خرمائے جَنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے
ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس
میں کا ایک صاع دو صاع کو، دو صاع تین صاع کو
لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا
ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپوں سے بیچ کر
روپوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔ **اقول** (میں کہتا
ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد،
ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر و

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱
صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربا " ۲/ ۲۶
[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ " ۱/ ۲۹۳
صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربا " ۲/ ۲۶

والمحیط کذا۔ لایألفه الناس
فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد
انعکست الامور وفشا الربا فی اهل
الهند جهارا لایستحیون منه کانهم
لایعدونه عیبا ولاعارا فمن نزلهم
عن هذا البلاء العظیم والکبیرة
الشدیدة الی بعض هذه الحیل
الجائزة کبیع نوط عشرة باثنتی
عشرة منجما وغیرذلك مما تقدم
عن الامام فقیه النفس فلاشك انه
ناصح للمسلمین وما الدین الا النصح لکل مسلم
وهم ان جاهروا بالمعاصی فالاسلام باق بعد
ولله الحمد، فاذا سمعوا ما یصلون به المرام
مع النجاة عن الحرام فما لهم ان لایتوبوا
فانهم غیر معاندین للشرع والاسلام و
قد قال مشایخ بلخ منهم محمد بن سلمة
للتجار ان العینة التی جاءت فی الحدیث
خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق
وهو صحیح فلاشك ان البیع الفاسد بحکم
الغصب المحرم فاین هو من بیع
العینة الصحیح المختلف فی کراهته[1] اه اما
زعم الزاعم انه ان لم ینه عنه فما
الفرق بینه وبین الربا مع حصول الفضل

الایضاح ومحیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر
ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں
معاملہ اُلٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سُود علانیہ
شائع ہوگیا کہ اُس سے شرماتے نہیں گویا وہ اُن
کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، تو جو ان کو
اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی
کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے
بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس
قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں
کا خیرخواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی
خیرخواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کررہے
ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، تو
جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں
اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو
شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک
مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے
فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان
بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا
یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد
غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں
بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف
انتہی، رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو
تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/٣٢٤

فیہما **اقول** ھذا اعتراض اورده المشرکون وقد تکفل الجواب عنہ ربنا تبارك وتعالٰی فی القراٰن العظیم "قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللّٰہ البیع وحرم الربٰو"[1]، الم یر المعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم ھذا لانسد باب البیاعات ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم انتھی الجواب بتوفیق الوھاب والحمد للّٰہ اولاً واٰخراً وباطناً وظاھراً وسمیتہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ لیکون العلم علما علی عام التالیف وقد ابتدأتہ العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمّٰی یوم الاحد فانھیتہ ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام سنۃ ۱۳۲۴ھ وذلك فی بلد اللّٰہ الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبداللّٰہ بن شیخ الخطباء وسید الائمۃ العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاھد الورع التقی النقی مجمع الفضائل ومنبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظھما اللّٰہ تعالٰی عن

دونوں میں حاصل ہوئی **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارك وتعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا، اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سُود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں و عیاں، اور میں نے اس کا نام کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم رکھا تاکہ نام سالِ تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تئیس۲۳ تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل و منبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

كل ضير ورزقهما من كل خير وغفرلنا ذنوبنا وسترعيوبنا وخفف اثقالنا وحقق أمالنا ورزقنا العود بعد العود الى هذا البيت الكريم وبيت الحبيب الرؤف الرحيم عليه وعلى اٰله افضل الصلوٰة والتسليم بقبوله ورضاه حتى يجعل أخرذلك موتنا على الايمان فى المدينة المنورة والدفن بالبقيع والفوز بشفاعة الشفيع الرفيع صلى الله تعالٰى عليه وعلى أله وصحبه وبارك وكرم أمين والحمد لله رب العٰلمين۔

كتبه عبده المذنب احمد رضا البريلوى عفى عنه بمحمدن المصطفى النبى الامى صلى الله تعالٰى عليه وسلم

اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہمارے عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں باربار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علیہ وعلی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول ورضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم اُن پر اتارے، آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم